مجلّہ صفدر

فروری2015

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ وخط وکتابت

مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82

محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

مولانا احسن خدامی

فرانس کے حملے......اور توہین رسالت کی نئی لہر

گذشتہ دنوں فرانس کے مرکزی اور مشہور شہر پیرس میں دو مسلم نوجوانوں سعید کواچی اور شریف کراچی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنانے والے رسالے ''چارلی ایبڈو'' کے دفتر پر حملہ کیا، جس میں مذکورہ رسالے کے ایڈیٹر اور چار ملعون کارٹونسٹ جہنم واصل ہوئے۔ اِس ''چارلی ایبڈو'' نامی رسالے نے چند سال پہلے بھی جناب رسول اللہ ﷺ کی توہین اور گستاخی پر مبنی کارٹون شائع کیے تھے، اور جب دنیا بھر کے مسلمانوں نے اس پر غم و غصے کا مظاہرہ کیا تو ڈھٹائی اور بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں دوبارہ شائع کیا تھا۔ انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام کی توہین، اِسلام میں بدترین جرم ہے اور صدرِ اول سے لے کر اب تک کے علماء وفقہاء کے نزدیک اِس کی سزا موت اور قتل ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے جانباز صحابہ کے دستے تشکیل دے کر شاتم رسول کعب بن اشرف اور ابو رافع کو ٹھکانے لگوایا تھا، اِسی طرح پوری دنیا کے مسلمان حکمران اس فرض کو اپنی ذمہ داری جان کر یورپ سے ان مجرموں کی حوالگی کا مطالبہ کرتے یا اپنے اپنے ملک کے سیکیورٹی اہلکاروں کے ذریعے ان ملعونوں کو انجام تک پہنچانے کی فکر کرتے، کفار تو ایمل کاسی، ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور شیخ اسامہ بن لادن کو ہماری سرزمین سے اغواء یا شہید کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے، مگر افسوس کہ یہ مسلمان حکمران اپنی عیش ومستی میں کھوئے رہے، اپنے اس فرض سے غافل رہے، اور یہ اعزاز دو گمنام مسلمان مجاہدین کے حصے میں آیا جنھوں نے ان بدبخت ترین انسانوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔

ان دو حضرات کی کاروائی کا عالم کفر پر اس قدر اثر ہوا کہ فرانس کی حکومت نے ایک ریلی کا انعقاد کیا جس میں پچاس سے زائد ممالک کے سربراہ شریک ہوئے، جن میں بہت سے نام نہاد مسلمان حکمران بھی شامل تھے، کاش کہ ان نام کے مسلمانوں کو توہین رسالت کے واقعات کے وقت اِس طرح کی کم از کم ریلی ہی نکالنے کی توفیق ہوئی ہوتی۔ ''چارلی ایبڈو'' نے اس واقعے کے بعد ایک مرتبہ پھر جناب رسول اللہ ﷺ کی توہین پر مبنی شمارہ شائع کیا ہے اور ائمہ کفر نے اس کی بھرپور سرپرستی کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جو ہوا یہ اُسی کے حق دار تھے، اور لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے...... احسن خدامی

اداریہ

مولانا احسن خدامی رحمزہ احسانی

نافعِ خلائق کی رحلت......مولانا نور محمد تونسویؒ کا سانحۂ وفات

ناموسِ صحابہؓ کے چوکیداروں کی صف اول کا ایک اور مجاہد دنیا سے رخصت ہوگیا۔ یادگارِ اسلاف، پیکر تواضع، نمونۂ اکابر، بقیہ سلف حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں نہیں رہے۔ حضرت علیہ الرحمہ ان لوگوں میں سے تھے جو زمین پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں، جن کی زندگیوں کو دیکھ کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے، جنھیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، اور جو اِس زمانے میں پچھلے زمانوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ان کی صرف خلوت کی عبادت، سادہ منشی، درویشی اور استغناء مزاجی ہی قابل رشک نہیں تھی بلکہ وہ اِس دنیائے فانی کی حیاتِ مستعار میں اسلام کی وہ خدمت کر گئے کہ رہتی دنیا تک مسلمانان عالم ان کے احسان کے زیر بار رہیں گے۔ دفاعِ صحابہ اور مشاجرات صحابہ کے پرپیچ اور دقیق موضوع پر جس خوبصورتی سے انہوں نے قلم اٹھایا ہے وہ انہی کا خاصہ ہے، اور تاریخ کے جھاڑ جھنکار میں سے سیرت صحابہ کے پھولوں کو جس طرح وہ کانٹوں سے الگ کر کے قاری کی خدمت میں پیش کرتے اور اس کے مشام جاں کو معطر کرتے ہیں، تو حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیتے ہیں۔ دفاعِ صحابہ کے موضوع پر ان کی کتابیں نہ صرف پاک و ہند میں مقبول ہوئیں بلکہ عربی میں مترجم ہو کر دنیائے عرب میں بھی ہاتھوں ہاتھ لی اور پسند کی گئیں۔

حضرت رحمہ اللہ کے سینے میں خدمت اسلام اور تحفظ صحابہ کا جو دریا موجزن تھا، جس کی لہریں اٹھ اٹھ کر انہیں بے چین کرتی اور بار بار میدان عمل میں کود جانے پر مجبور کرتی رہتی تھیں، یہ درحقیقت فیض تھا منبع رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند اور اس کے نابغہ زمانہ اساتذہ کرام کا جن کے مقدس ہاتھوں سے نہ جانے کتنے حضرت نافع رحمہ اللہ جیسے ہیرے نکلے اور اندھیروں میں مینارہ نور بن کر بھولوں بھٹکوں کو راہ دکھاتے رہے۔ اللہ جل شانہ اس مرکز رشد و ہدایت کو ہر قسم کے شر و فتنے سے محفوظ فرمائیں اور اس کا فیض تا قیامت جاری و ساری رکھیں۔

جانے والے چلے جاتے ہیں اور اگر ان کے علوم و فیوض کو آگے منتقل کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو پچھلی نسلیں اندھیرے میں رہتی ہیں اور بہت سے نایاب ہیروں اور جواہرات سے نفع اٹھانے سے محروم رہ جاتی ہیں، بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں اور ان باتوں کو آئندہ نسلوں تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اسی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے حضرت رحمہ اللہ کی حیات طیبہ پر ایک خاص نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے، احباب سے گذارش ہے کہ اس سلسلے میں خوب بڑھ چڑھ کر تعاون فرمائیں کہ یہ ہمارا فرض بھی ہے اور ہمارے ذمہ قرض بھی۔ اللہ جل شانہ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

والسلام......احسن خدامی

آہ! ترجمانِ مسلکِ دیوبند مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ......!!!

مناظر اسلام، محقق اہل سنت، وکیل احناف، ترجمان مسلک دیوبند، جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ (ضلع رحیم یارخان) کے بانی و مہتمم، اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی سرپرست اعلیٰ، تیس سے زائد علمی و تحقیقی کتب کے مصنف، ہمارے ہردل عزیز مقتداء وراہ نماو پیشوا، قاطع شرک وبدعت، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی قادری رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۵/جنوری ۲۰۱۵ء بمطابق ۲۳/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بروز جمعرات دِن ایک بجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ إنالله وإنا إليه راجعون

بندۂ ناچیز چار ماہی امتحان کی تعطیلات گزارنے کے بعد حسبِ معمول بہاول پور میں اپنے اساتذہ واحباب، ترنڈہ میں حضرت مولانا نور محمد رحمہ اللہ اور ظاہر پیر میں استاذِ مکرم حضرت نعمانی صاحب دامت برکاتہم کی زیارت وملاقات کا عزم کیے بدھ شام گجرات سے کراچی کی طرف روانہ ہوا۔ جمعرات فجر بہاول پور پہنچا۔ اساتذہ واحباب سے ملاقات کے بعد ترنڈہ کارخ کیا، روانگی سے قبل استاذِ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے حسب سابق کچھ رقم عنایت فرمائی کہ: ''یہ میری طرف سے مولانا نور محمد صاحب کی خدمت میں ہدیہ پیش کردینا۔'' رقم وصول کرکے سنبھالی اور حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند اور جانشین برادرِ مکرم حضرت مولانا احمد اللہ صاحب کو فون کرکے حضرت کی موجودگی کا معلوم کرنا چاہا۔ ان کے ذریعے ہی ناسازیٔ طبع کا علم ہوا۔ بندہ حاضری کی اجازت لے کر دن پونے ایک بجے حضرتؒ کے مدرسہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ پہنچ گیا۔ خلاف توقع اور خلاف معمول مدرسہ کے برآمدے میں رکھی حضرتؒ کی چارپائی خالی تھی۔ علالت کی بنا پر حضرت رحمہ اللہ گھر ہی آرام فرما تھے۔

پہنچتے ہی مولانا احمد اللہ اور مولانا حامد اللہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے چائے پانی اور کھانے کا پوچھا، بندہ نے عرض کیا: ٹھنڈ کی وجہ سے پانی کا موسم نہیں، چائے بندہ پیتا نہیں، کھانا استاذ نعمانی صاحب کے ہاں ظاہر پیر کھانے کا ارادہ ہے۔ آپ کے والد محترم اگر جاگ رہے ہوں اور بسہولت ممکن ہو تو بس اُن کی زیارت کرادیں۔ ورنہ میرا اسلام عرض کردیں۔!! مولانا حامد اللہ کہنے لگے: جی ابھی تشریف فرما تھے، میں دیکھتا ہوں۔ اور آپ کا بتاتا ہوں۔ وہ گئے اور بندہ کی آمد کی اطلاع دی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اسے کھانا کھلاؤ!'' مولانا حامد اللہ نے عرض کیا کہ: کھانا وہ ظاہر پیر کھائیں گے۔ فرمایا: کچھ نہ کچھ تو کھلاؤ۔ تعمیل حکم میں وہ مالٹے لے آئے۔ مالٹے کھا کر بندہ وضو کرنے لگا اور وہ دونوں بھائی گھر چلے گئے۔

دو تین دن سے حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت شوگر کی بے حد کمی کی وجہ سے ناساز تھی، پانچ چھ گھنٹے مسلسل بے ہوشی بھی طاری رہی۔ علاج جاری تھا، ڈاکٹر صاحبان تسلی بھی دے چکے تھے۔ جمعرات صبح کو بیٹوں نے بہاول پور ہسپتال میں رابطہ کرکے باری نمبر حاصل کرلیا۔ لیکن حضرتؒ جانے کے لیے تیار نہ ہوئے

اور فرمایا: شام تک دیکھ لو! اگر طبیعت سنبھل گئی تو ٹھیک، ورنہ ہسپتال چلے جائیں گے۔ شوگر بہت کم تھی، کھانا پینا بھی تقریباً موقوف تھا۔ دن کو چائے کے ساتھ رس تناول فرمائے۔ ایک بجے کے لگ بھگ اچانک بیٹے سے فرمایا: شوگر چیک کرو! شوگر چیک کی تو حیرت ناک بلکہ خطرناک ترین حد تک بڑھ چکی تھی۔ ۵۸۰ سے بھی زائد۔ فوراً ڈاکٹر کو بلوایا گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا مجھے لٹادو! لیٹتے ہی بے ہوشی طاری ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب کے تشریف لانے تک حضرتؒ بے ہوش ہو چکے تھے اور شاید سانس بھی رک چکا تھا۔

اسی اثناء میں بندہ ناچیز کو بھی اندر بلوا لیا گیا۔ سانس بند ہو جانے کا علم ہوا۔ سر کی جانب مولانا احمد اللہ اور مولانا عبید اللہ اور ان کے قریب مولانا حامد اللہ کھڑے تھے، پائنتی کی جانب بندہ ناچیز۔ بعض دیگر احباب بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب ای سی جی مشین کا دریافت کر رہے تھے۔ ایک اور ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کرکے ای سی جی مشین سمیت آنے کی درخواست کی گئی۔ چند منٹ بعد وہ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے دل کی دھڑکن چیک کی، پھر آنکھیں دیکھیں اور ''اناللہ'' کے ساتھ قیامت خیز حادثہ کی خبر دیدی۔

إنـا لله و إنا إليه راجعون ـ إن لـلـه مـا أخذ وله ما أعطى، و كل شئى عنده بأجل مسمى. اللهم لاتحرمنا أجره و لا تفتناه بعده.

حضرت مولانا نور محمد تونسوی قادریؒ ۱۹۴۷ء کو کوٹ قیصرانی، تحصیل تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان میں جناب احمد بخش بن محمد رمضان کے گھر پیدا ہوئے۔ قیصرانی بلوچ قوم سے تعلق تھا۔ ایک مرتبہ حضرتؒ سے اپنے حالات قلمبند کرانے کی درخواست کی گئی تو مختصر احوال لکھوائے، جو مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہم [مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''صفدر''] نے قلمبند فرمائے۔ چنانچہ فرمایا:

''میرے والد صاحب کا نام احمد تھا، محنت مزدوری کرتے تھے، پکے دیوبندی تھے۔ میرا کوئی بھائی نہیں، ہمشیرگان چار ہیں۔ مڈل تک تعلیم کوٹ قیصرانی کے سکول میں حاصل کی، مگر اس وقت انگریزی لازمی نہیں تھی، اور مجھے انگریزی سے نفرت تھی، میں نے انگریزی کی جگہ ''اردو اعلیٰ'' کا مضمون منتخب کیا۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے: میں نے تمھیں ''درس'' پڑھانا ہے، میں بھی بہت شوق سے کہتا رہتا تھا کہ میں نے درس پڑھنا ہے۔ لیکن اس وقت تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ درس کیا ہوتا ہے۔

مڈل کے بعد میرا داخلہ خواجہ نظام الدین تونسوی کے مدرسہ محمودیہ میں ہوا۔ وہاں فارسی کی دو کتب آمد نامہ اور نصاب ضروری پڑھیں، باقی زیادہ تر کتب فارسی، کنز، صرف، ثانیہ تک جلالین میں مولانا اللہ بخش تونسویؒ کے پاس پڑھیں۔ مولانا اللہ بخشؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنیؒ کے خاص شاگرد وخادم تھے۔ میں ان کی بہت خدمت کرتا تھا، اُن کی بھینسیں وغیرہ چراتا۔ آج میرے گھر میں بھینسوں اور دودھ کی فراوانی شاید اسی کا نتیجہ ہے۔ پھر کچھ عرصہ کبیر والا میں اور کچھ عرصہ مخدوم والا سید محمد شاہ صاحب کے پاس پڑھا۔ زیادہ تر کتب مولانا امیر محمد تونسوی مدظلہم کے پاس ایک سال مہند شریف میں اور باقی مخدوم والا

میں رہ کر پڑھیں۔ مولانا امیر محمد مدظلہم مخزن العلوم کے فاضل ہیں۔ دورانِ تعلیم میرا خرچہ کالعدم تھا۔ مہند شریف قیام کے دوران والد صاحب نے دس روپے عنایت فرمائے تو سال بھر سنبھال کر رکھے اور واپسی کرایے میں خرچ کیے۔ عام طور پر سال کے بعد گھر جاتے تھے، درمیانی تعطیلات میں اساتذہ کی خدمت کرتے تھے۔ مجھے مطالعہ کا بے حد ذوق تھا، مگر کتب کا بہت فقدان تھا۔ (ایک مرتبہ کہیں سے ''تفہیم القرآن'' مل گئی تو میں نے مطالعہ شروع کر دیا، اس پر ایک صاحب نے مہتمم صاحب کو بھڑکا دیا کہ یہ مودودی ہے۔ چنانچہ وہاں سے خارجہ ہو گیا۔)

مشکوٰۃ شریف احیاء العلوم مظفر گڑھ میں حضرت قریشی کے ہاں پڑھی۔ دورۂ حدیث ۱۳۹۱ھ کو مخزن العلوم خان پور میں کیا۔ بخاری ثانی حضرت درخواستیؒ اور اول مولانا واحد بخشؒ کوٹ مٹھن والوں کے پاس تھی۔ دورہ کی باقی کتب مولانا ابراہیم تونسویؒ کے پاس پڑھیں، وہ بھی فاضل دیوبند تھے۔ بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ سے قائم کیا، انھی سے دو مرتبہ دورۂ تفسیر بھی پڑھا۔

تدریس کا آغاز مفتی عبدالقدوس صاحبؒ کے مدرسہ قاسمیہ احمد پور سے کیا۔ ۳/۴ سال وہاں پڑھایا، پھر ایک سال تک بستی آرائیاں احمد پور میں۔ پھر سات سال مہند شریف اور ایک سال قاسم العلوم ترنڈہ میں پڑھایا۔ دو سال جامعہ قادریہ لیاقت پور اور کچھ عرصہ مدرسہ حیات النبی ترنڈہ میں پڑھانے کے بعد غالباً ۱۹۸۹ء کو جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان کی بنیاد رکھی۔ شادی ۱۳۸۸ھ میں ہوئی۔''

آپ رحمہ اللہ جملہ علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک بھی ترجمہ وتفسیر کا ایک سبق تمام درجات کے تمام طلباء کو پڑھاتے جس میں صرف ونحو وغیرہ کا مکمل اجراء کرواتے تھے۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں امام النحو حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ، حضرت مولانا اللہ بخشؒ [فاضل دیوبند]، حضرت مولانا مفتی محمد صدیقؒ [مظفر گڑھ]، حضرت قریشیؒ [مظفر گڑھ]، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ [سابق شیخ الحدیث: جامعہ مخزن العلوم، خان پور]، حضرت مولانا واحد بخشؒ [کوٹ مٹھن] اور حضرت مولانا امیر محمد صاحب تونسوی مدظلہم [شیخ الحدیث جامعہ مخزن العلوم خان پور] اور مشہور تلامذہ میں مولانا مفتی عبدالستار جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور، مفتی عبدالحمید ربانی کراچی، مولانا مفتی محمد اسماعیل احمد پور شرقیہ اور کراچی وسرگودہا کے ''تقابل ادیان کورس'' کے شرکاء شامل ہیں۔

مناظرانہ طبیعت، فرق باطلہ کے خلاف محققانہ وماہرانہ صلاحیت اور مسلک سے والہانہ مگر عالمانہ عقیدت کے باوجود دعوت وتبلیغ کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے اور اسے دین ومسلک کی اشاعت و حفاظت اور عوام الناس کے ایمان وعمل کی سلامتی وبقا کا اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ تیس سال سے زائد عرصہ تو آپ ترنڈہ محمد پناہ کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ ملک بھر کے دینی اجتماعات میں بالعموم اور اپنے علاقہ کی دینی محافل میں بالخصوص آپ بیانات فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں تبلیغی

جماعت کے دفاع اور اس پر اعتراضات کے جواب میں مختلف کتب بھی آپ نے تصنیف فرمائیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مشہور مبلغ مولانا محمد طارق جمیل مدظلہم بھی آپ سے زیارت وملاقات کے لیے خود حاضر ہوئے۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق وتالیف اور تصنیف بھی آپ کا عمر بھر کا مشغلہ رہا، مسلک حق کی اشاعت وحفاظت تو گویا آپ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ نجی محافل ہوں یا اجتماعی مجالس، جمعہ کا خطاب ہو یا دینی جلسہ، ماہانہ رسالے کے لیے مضمون ہو یا باقاعدہ کتابچہ، مفصل ومدلل تصنیف ہو یا مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی محققانہ تالیف ہر مقام، ہر میدان اور ہر محاذ پر آپ نے مسلک کی ترجمانی اور دفاع کا فریضہ ڈنکے کی چوٹ سرانجام دیا۔ آپ کے مضامین کی وقعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہم العالی [امیر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت] جیسی بلند پایہ علمی شخصیت نے ایک موقع پر فرمایا:

''مولانا نور محمد صاحب کے مضامین ماہنامہ الخیر اور دوسرے رسائل میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔''

اور تصانیف کی جامعیت ونافعیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ شہید ناموس رسالت، ہمارے محبوب حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ، حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں باقاعدہ تشریف لائے اور فرمایا: ''ہمارے حضرت شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اگر حیات ہوتے تو آپ کی تالیف ''قبر کی زندگی'' پر آپ کو ضرور انعام سے نوازتے۔ لیکن اب وہ نہیں تو بندہ کی طرف سے انعام قبول فرمائیں۔'' پھر نقد رقم پیش کی۔ اور فرمایا: ''اس عنوان (حیات النبی) پر جو کچھ آپ کے سینے میں ہے، اسے کاغذ پر منتقل کردیں اور مسلسل لکھتے رہیں۔ صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں۔ ورنہ آپ قبر میں چلے جائیں گے اور سب کچھ ساتھ لے جائیں گے۔'' عقیدہ حیات النبی اور اس کے متعلقات کے حوالے سے تو اپنے وقت میں پاکستان بھر کے سب سے بڑے ماہر، محقق اور جامع سمجھے جاتے تھے۔

آپ کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد تیس (۳۰) سے زائد ہے۔ جن میں: [۱]......الحیات بعد الوفات یعنی قبر کی زندگی، [۲]......تبلیغی جماعت کا شرعی مقام، [۳]......حقیقی نظریات صحابہ، [۴]......سیدنا علیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کی آپس میں محبت وعقیدت، [۵]......شان ابی حنیفہ در احادیث شریفہ، [۶]......روح کی آڑ میں مسلمہ حقائق کا انکار، [۷]......مولانا طیب پنج پیری سے ایک سو چار (۱۰۴) سوالات، [۸]......مزید تین سو پینتیس (۳۳۵) سوالات، [۹]......ایک ریٹائرڈ فوجی کے سات سوالات کے جوابات، [۱۰]......مجموعہ سوالات، [۱۱]......اسلام کے نام پر ہویٰ پرستی (کیپٹن مسعود عثمانی کے نظریات کا مکمل، مدلل، تحقیقی وعلمی محاسبہ)، [۱۲]......عذاب قبر کی صحیح صورت کے منکر کا شرعی حکم، [۱۳]......تبلیغی اعمال کی شرعی حیثیت، [۱۴]......سوال گندم جواب چنا، [۱۵]......عقیدہ حیات قبر اور علماء اسلام، [۱۶]...... جہادِ نفس، [۱۷]......تبلیغی جماعت اور

مشائخ عرب، [۱۸]......تبلیغی جماعت اور عرب علماء، [۱۹]......عقیدہ حیات قبر اور علم وفہم میت کی حدیث، [۲۰]......مقالات تونسوی، [۲۱]......معیارِ صداقت، [۲۲]......غیر مقلدین عوام، غیر مقلدین علماء کی نظر میں، [۲۳]......مسنون نمازِ تراویح، [۲۴]......منکرین حیات کی خوفناک چالیں، [۲۵]......عتیق الرحمٰن کی قلابازیاں، [۲۶]......نماز جنازہ میں مسنون دعا، [۲۷]......شان سیدنا ابی سفیانؓ، [۲۸]......زبدۃ التحقیقات فی إثبات الدعاء بعد المکتوبات، [۲۹]......ھو الکذاب، [۳۰]......تحقیق المسئلتین. وغیرہ شامل ہیں۔ مختلف رسائل وجرائد میں طبع ہونے والے سیکڑوں مضامین اس کے علاوہ ہیں۔

آپ کی مشہورِ زمانہ تالیف ''قبر کی زندگی'' پر علماء کی تقاریظ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا امیر محمد صاحب تونسوی مدظلہم لکھتے ہیں:

''محقق نوجوان عزیز القدر حضرت مولانا نور محمد صاحب تونسوی سلمہ اللہ نے انتہائی سنجیدگی ومتانت ودیانت وامانت، کاوش ومحنت سے آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء سے اس مسئلہ کو مدلل ومبرہن کر کے منصفین قارئین کے لیے بالکل واضح وروشن بے غبار واظہر من الشمس کر دیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب ''الحیات بعد الوفات'' کا از اول تا آخر بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ تمام دلائل عقلیہ ونقلیہ علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے عین مطابق پائے ہیں۔

لہٰذا یہ کتاب مسئلہ حیات النبی وسماعہ الصلوۃ والسلام عند قبرہ سمجھنے کے لیے ایسا انمول وگرانمایہ مجموعہ ہے کہ جس کا مطالعہ ہر ذی علم کے لیے ضروری ہے۔''

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا شفیق الرحمٰن درخواستی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ولقد طالعت هذه المجموعة النافعة التى ألفها الفاضل العالم المحقق مولانا نورمحمد تونسوى (متع الله المسلمين بفيوضه) فى مسئلة حيات الأنبياء عليهم السلام، فوجدتها رسالة عجيبة الشان، واضحة البرهان، ومشحونة بالدلائل القوية، ونافعة للطلباء، ومفيدة للعلماء، والمرجو من الله تعالىٰ أن يقبلها قبولًا حسنًا، ويوفق المؤلف توفيقًا مزيدا لإشاعة الدين والتاليفات الحسنة ومثلها.''......أفقر إلى الرحمن شفيق الرحمن درخواستى

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ [ظاہر والی] لکھتے ہیں:

''میں نے کتاب ''قبر کی زندگی'' دیکھی اور پڑھی ہے۔ حضرت مؤلف مولانا نور محمد صاحب تونسوی مدظلہ مہتمم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ (لیاقت پور) کی محنت تالیف اور کوشش تصنیف قابل داد اور لائق تحسین ہے۔

مضامین کی صداقت، دلائل کی متانت، عبارت کی سلاست اعلیٰ درجہ اور قابلِ قدر ہے۔ مولانا ممدوح مدظلہ نے عالم برزخ میں روح کا تعلق جسد عنصری سے اسلاف اہل سنت اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک کے مطابق وزنی اور قوی دلائل سے بخوبی ثابت، وضاحت اور تحقیق سے واضح اور محقق فرما کر کتاب

کواس کی نوعیت کا حصن حصین بنا دیا ہے۔

دلائل میں آیات قرآنیہ بتفسیر مفسرین ربانیین اور احادیث نبویہ بتشریح جلیل القدر محدثین پیش فرما کر اہل سنت کو ایک بیش بہا اور گرانقدر تحفہ عنایت فرمایا ہے۔ فللہ درالمؤلف ثم للہ درہ''

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن درخواستی مدظلہم لکھتے ہیں:

''بندہ عاجز نے کتاب ''الحیات بعدالوفات'' (مؤلفہ: برادرِ مکرم، فاضل اجل، صاحب التحقیق حضرت مولانا نور محمد تونسوی مدظلہم) کے متعدد مقامات بغور پڑھے ہیں۔ مولانا موصوف نے جس محنت وعرق ریزی سے اپنے مجوزہ موضوع مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام اور اس کے متعلقات کو دلائل وبراہین سے مدلل ومبرہن فرمایا ہے، اگر اس عنوان کے مخالفین انصاف سے کام لیں تو انہیں سوائے سکوت اور سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ کار نہ ہو۔

مولانا ممدوح نے اس اجماعی اور ذی شان مسئلہ کی شایان شان قرآن واحادیث کے دلائل کی سبیل بہادی ہے۔ جی چاہتا تھا کہ اس کتاب کا مقدمہ تحریر کر کے شریک سعادت ہوتا۔ لیکن مؤلف موصوف نے مسئلہ مذکورہ کا کوئی پہلو تشنہ چھوڑا ہی نہیں کہ کسی دوسرے ساتھی کو موقع ملے۔''

مناظر اسلام، وکیل احناف، امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''......اِسی سلسلہ میں جناب مولانا نور محمد صاحب تونسوی ترنڈہ محمد پناہ والوں نے ایک بہت ہی عام فہم اور مفصل کتاب تحریر فرمائی۔ اس کا سبب یہ بنا کہ ان کا ایک تحریری مناظرہ جناب نیلوی کے کسی شاگرد سے ہوا۔ جس میں بالآخر وہ بے چارہ سکوت مرگ میں جا پڑا۔ حضرت مولانا موصوف کا ارادہ تھا کہ اس تحریری مناظرہ کو شائع کر دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ مناظرہ میں سب پہلو صاف نہیں ہوتے۔ جو پہلو زیر بحث آگئے، صرف ان پر کلام ہوتا ہے۔ اس لیے ترتیب سے اس مسئلہ کے سب پہلوؤں پر بات ہو جائے۔ تو مولانا نے بہت محنت سے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سب اہل سنت کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کتاب میں الحمد للہ ان کے نئے وپرانے وساوس کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ اور انہوں نے جو نئی نئی تاویلیں کی تھیں، ان سب کا پردہ چاک کر دیا۔ عذاب وثواب نیز حیات شہداء اور حیات انبیاء علیہم السلام پر بہت معلومات افزاء کتاب ہے۔ اب منکرین حیات النبی مرزا قادیانی کی گود میں بیٹھتے جا رہے ہیں۔ اور حیات مسیح علیہ السلام کا انکار کر رہے ہیں۔ اس پر بھی مولانا نے مسئلہ کی حیثیت کو واضح فرما دیا۔''

حضرت مولانا مفتی عبدالستار مدظلہم [استاذ الحدیث: جامعہ عبداللہ بن مسعود، خان پور] لکھتے ہیں:

''......فأدى هذا الواجب أداءً كاملًا العالم المحقق والنحرير المدقق عالم الرواية والدراية، معدل ميزان المعقول والمنقول، منقح أغصان الفروع والأصول، الشهير فى باكستان بتعاقب المحرفين فى الدين، وبدفع التلبيسات الزائغين المنافقين، وبدفع القناع عن دسائس المتعصبين، والموصوف بهذه الصفات هو الموسوم بمولانا نورمحمد القادرى التونسوى

دامت بركاتهم العاليه ولازالت شموش إرشاده وتاليفاتهم طالعة وبازغة.......

إعلم انى لمارأيت هذا الكتاب وطالعته بدراسة عميقة، غامضًا وغابرًا، فوجدته قنبلة ذرية(ايٹم بم) منبوذة على ساحات أهل الباطل، فصارالأمر كما قال الله تعالى: **بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق.**''

اس علمی شان کے باوجود سادگی، عاجزی، للّٰہیت، اخلاص وتقویٰ کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے، دیانت داری کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔کبھی بھی حق قبول کرنے یا غلطی سے رجوع میں پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ مخالف کی طرف سے سخت طعن وتشنیع کے باوجود انتہائی تحمل وبردباری کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ایسے ہی ایک موقع پر فرمایا: ''جو کچھ آپ نے بندہ عاجز کے بارے میں لکھا، بندہ اُس سے بھی کم تر بلکہ بدتر ہے۔اللہ پاک کی شان کریمی نے پردہ ڈال رکھا ہے۔'' بڑوں کا ادب کبھی بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔اور چھوٹوں پر شفقت کا تو کیا ہی پوچھنا تھا۔اکابر کا احترام اور اصاغر کی حوصلہ افزائی اور ان کے لیے شب وروز دعائیں آپؒ کا معمول تھا۔

جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم، حضرت مولانا حاجی احمد گمانوی مدظلہم کے حوالے سے فرمارہے تھے کہ: شدید علالت اور نقاہت کے عالم میں بھی حضرت رحمہ اللہ کو مسلک کی فکر لاحق تھی، چنانچہ ان سے فرمایا: مسلک دیوبند اور علماء کرام پر بہت سے لوگوں نے اعتراضات کیے، جن کا جواب ابھی باقی ہے، اللہ پاک مجھے صحت سے نوازیں تو یہ قرض چکادوں۔

اور چند دن قبل ہی کی بات ہے، بندہ نے جامعۃ الرشید کے دارالافتاء میں حضرت رحمہ اللہ کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا سوال (استفتاء) دیکھا تو شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر اٹھالیا، حضرت رحمہ اللہ نے عقائد ہی کی بابت ایک استفتاء بھیج رکھا تھا کہ: عقائد کی دو قسموں [قطعی اور ظنی] کا ثبوت کہاں ہے۔کیا واقعی بعض عقائد ''ضروریاتِ اسلام'' اور بعض ''ضروریاتِ اہلِ سنت'' سے ہیں؟ اس کی دلیل کیا ہے۔مآخذ کیا ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔بندہ نے سرسری نگاہ سے دیکھا تھا، اس لیے مزید کچھ یاد نہیں۔......اور دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے نوجوان فاضل ومتخصص حضرت مولانا مفتی عمر فاروقی صاحب مدظلہ [مدیر: جامعہ بحرالعلوم، ترنڈہ محمد پناہ] نے بتایا کہ: وفات سے ایک ہفتہ قبل حضرت رحمہ اللہ ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بذاتِ خود ہمارے ادارے میں تشریف لائے۔اتفاق سے بندہ موجود نہیں تھا۔تو استفتاء دے کر چلے گئے۔...... ماہنامہ ''صفدر'' کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہم نے بھی بتایا کہ: حضرت رحمہ اللہ کا ایک استفتاء ہمارے پاس آیا ہوا ہے کہ: آیا عقیدہ حیات النبی ضروریاتِ دین میں سے ہے یا ضروریاتِ اہل سنت میں سے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ ......اللہ اکبر!! کیا شان ہے ہمارے اکابر کی کہ ہر وقت اور ہر لمحہ مسلک ومشرب اور امت کو فتنوں سے بچانے اور اُن کے ایمان کی سلامتی کی فکر ہے۔

ایک مرتبہ بندہ حاضر خدمت ہوا تو مسلکی تشویشناک حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:

''اب تو صحیح مسلک پر چلنے والے کم ہی رہ گئے ہیں اور ان کی مثال بھی اُس بادشاہ اور وزیر کی سی ہے جنہیں اُن کی قوم نے پاگل سمجھ کر قید کر ڈالا تھا۔ پھر حکایت سنائی کہ:''ایک ملک کے نجومیوں نے بادشاہ کو خبر دی کہ فلاں دن یہاں ایک ہوا چلے گی، جو پورے ملک میں پھیلے گی۔ وہ ہوا اتنی خطرناک ہے کہ جسے وہ لگ گئی، وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے گا اور پاگل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلا کر مشورہ طلب کیا، وزیر نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا کہ: دو کام کرنے ہوں گے: [۱] ایک تو ہم اعلان کر دیں کہ سب لوگ اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیں اور احتیاطی تدابیر بھی سب کو بتا دی جائیں۔ [۲] دوسرا ہم اپنے لیے بھی کوئی ایسی جگہ بنالیں جہاں وہ ہوا نہ پہنچ سکے اور ہم وہ وقت اس مخصوص جگہ میں گزار لیں۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ ایک خطرناک اور مہلک قسم کی ہوا چلنے والی ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی حفاظت کا انتظام کر لیں۔ حفاظتی تدابیر بھی بتا دی گئیں۔ لیکن کسی نے اُن کی بات پر توجہ نہ دی۔ بادشاہ اور اس کے وزیر نے ایک خاص جگہ کا انتظام کر لیا۔ اور ہوا چلنے کا وقت اس میں بند رہے۔ جب وہ مہلک ہوا ختم ہو گئی اور بادشاہ و وزیر اپنی مخصوص عمارت یا تہہ خانے سے باہر آئے تو سب لوگ ذہنی توازن کھو چکے تھے۔

اب صورتحال یہ ہوئی کہ بادشاہ اور وزیر جو حکم جاری کرتے، لوگ اُسے غلط سمجھتے، اور اپنی سوچ کو درست۔ جب مسلسل ایسا ہونے لگا تو لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے بادشاہ اور اس کے وزیر کا ذہنی توازن برقرار نہیں رہا اور وہ مجنون ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کو کرسی اقتدار سے اتار کر قید کر دیا جائے اور ان کا علاج کرایا جائے۔''

حکایت سنانے کے بعد ارشاد فرمایا: اب یہی حال ہے کہ ہم نے لوگوں کو بہت سمجھایا کہ بے دینی، نفس پرستی اور اکابر بے زاری کی ہوا چل رہی ہے، اپنے افکار و ایمان کی حفاظت کا انتظام کر لو! کسی نے توجہ نہیں دی۔ اب جب سب کو وہ ہوا لگ گئی ہے تو سب ہمیں ہی پاگل اور مجنون سمجھتے ہیں......!!

بندہ نے اپنے پھوپھا حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت تونسوی رحمہ اللہ سے اُن پر مضمون لکھنے کی درخواست کی اور اُن کا سوانحی خاکہ اور چند واقعات بھی پیش کر دیئے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل مضمون تحریر فرمایا:

> ''مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی مسلک اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کثر اللہ سوادہ کی پاسبانی میں بسر کی ہے، اس مسلک پر سختی سے پابند رہے، اس مسلک کا پرچار کیا، دفاع کیا اور کسی چھوٹے بڑے مسئلے میں اکابر کی راہ سے سر مو انحراف نہیں کیا،

بلکہ پوری زندگی اس مسلک حقہ کی آب یاری میں گزار دی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

چونکہ بندہ عاجز کا بھی یہی مزاج ہے کہ اکابر کی پیروی کو نجات اور سلامتی کی راہ سمجھتا ہے اور ان کے مسلک سے انحراف اور تفردات کو گمراہی کا خطرہ محسوس کرتا ہے۔لہٰذا اس نسبت سے حضرت قاری صاحب میرے ہم مسلک بھائی ہیں، اگر چہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور تعلق نہیں رہا، لیکن یہ مذکورہ بالا تعلق ہر قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہے۔

ورنہ اس قحط الرجال کے دور میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے ضروریات اہل سنت کا انکار کر رکھا ہے، مثلاً کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے حیات عیسیٰ کا انکار کر رکھا ہے اور بعضوں نے اجماع امت کی حجیت کا انکار کر رکھا ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے رجم (یعنی شادہ شدہ مرد وعورت سے اگر زنا سرزد ہو جائے تو انہیں سنگسار کر دیا جائے، اس) کا انکار کر رکھا ہے اور بعضوں نے عذاب قبر کی صحیح صورت کا انکار کر رکھا ہے اور بعضوں نے عقیدہ حیات النبی کا انکار کر رکھا ہے، اور بعض ایسے ہیں جو توسل کی صحیح صورت کے منکر ہیں اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے محمد علوی مالکی کی بیعت کر کے گویا بریلویت اپنا رکھی ہے، اور بعض لوگ یزید کی طرف داری میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بغاوت کا الزام لگانے بیٹھ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اور طرفۂ تماشہ یہ کہ راہِ انحراف اختیار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو مسلک اہل سنت دیوبند سے منسلک کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ اس قسم کے تفردات (بلکہ ضلالت) اپنا کر مسلک اہل سنت دیوبند سے خارج ہو چکے ہیں۔اس لیے بندہ عاجز کے نزدیک یہ لوگ نسبتاً زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ علماء دیوبند کی پیروکار جماعت ایسے لوگوں کو ''اپنا'' سمجھتی ہے اور اپنا سمجھ کر ان کی تقریروں اور تحریروں میں دلچسپی رکھتی ہے اور یوں ان کے تفردات (بلکہ ضلالت) کا شکار ہو جاتی ہے۔

ایسی صورتحال میں بندہ عاجز حضرت قاری صاحب جیسے لوگوں کے ساتھ پیار کرتا ہے اور ایسے لوگوں کے حق میں دعا نکلتی ہے۔اور ایسے لوگوں کی عظمت کو سلام کہتا ہے، کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

باں گروہے کہ از ساغر وفا مستند ۔۔۔ سلام ما با رسانید ہر کجا ہستند

چونکہ حضرت قاری صاحب موصوف اپنی پوری زندگی میں اکابر کی لکیر کے فقیر رہے، لہٰذا بندہ عاجز اُن کے حق میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔اور ہم سب کو اکابر کے نقش قدم پر استقامت نصیب فرمائے۔اور ہر قسم کی بے دینی و بے راہ روی سے محفوظ فرمائے۔آمین

اِس مضمون سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلک دیوبند سے حضرت رحمہ اللہ کی عقیدت ومحبت کا کیا عالم تھا۔اور اس سے انحراف کرنے والوں کے بارے میں کیا جذبات وخیالات رکھتے تھے۔مزید وضاحت

کے لیے اربابِ وفاق المدارس کے نام حضرت رحمہ اللہ کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ ہو:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہان کے نام کُھلا خط

''فاسد العقیدہ طالب علم۔۔۔۔

(۱)......''وفاق'' کا جو فاضل/فاضلہ صحیح العقیدہ نہ ہو تو بعد از تحقیق صحتِ الزام کی صورت میں اس کو ''وفاق'' کی سند سے محروم کر دیا جائے گا۔

(۲)......ایسے فضلاءِ وفاق جو خدانخواستہ کسی گمراہ تحریک سے وابستہ ہو گئے ہوں اور تحقیق کے بعد اس تحریک کے نظریات ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے واضح متصادم ثابت ہوں تو ضابطہ کے مطابق ان کی سندات منسوخ کر دی جائیں گی۔''

(منظور کردہ اجلاس مجلس عاملہ ۱۵، اگست ۱۹۶۲ء، بمطابق ۳ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ)

(منظور کردہ اجلاس مجلس شوریٰ ۲۳ جون ۲۰۰۳، بمطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ)

ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان۔رجب المرجب ۱۴۳۲ھ، جون ۲۰۱۱ء

محترم و مکرم جناب سربراہان وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ حضرات نے یہ فیصلہ تو فرمادیا کہ فاسد العقیدہ طالب علم اور کسی گمراہ تنظیم سے وابستہ طالب علم ''وفاق المدارس'' کی سند سے محروم کر دیا جائے گا۔لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کون سا طالب علم صحیح العقیدہ ہے اور کون سا فاسد العقیدہ؟ اور وہ کون سی گمراہی ہے جس کو اپنانے سے ایک طالب علم ''وفاق المدارس'' کی سند سے محروم ہو جاتا ہے؟

مثلاً ہمارے ملک میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، غیر مقلد، پرویزی، چکڑالی، مودودی، کیپٹن مسعود الدین عثمانی کو ماننے والے، جماعت المسلمین، جاوید غامدی اور اس کے افکار کو حلقہ دیوبند میں پھیلانے والا عمار خان ناصر سواتی اور اس کے پشت پناہ، محمد علوی مالکی کے افکار کی تائید کرنے والے، خاندان بنوامیہ خصوصاً سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والے، تنظیم فکر ولی اللہی، ذکری، گوہر شاہی، آغا خانی، اشاعتی، مماتی، حیات عیسیٰؑ کے منکر، عذابِ قبر کی صحیح صورت کے منکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا انکار کرنے والے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روح اقدس کا جسد اطہر سے ہر قسم کے تعلق کا انکار کرنے والے، یزیدی، حضور علیہ السلام کے سماع عند القبر الشریف کے قائلین پر کفر اور شرک فتوے لگانے والے اور توسل بالانبیاء والصالحین کی صورت کو شرک کہنے والے، حضور علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کو ناجائز کہنے والے، حضور علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو وصفِ نبوت اور وصفِ رسالت سے موصوف نہ سمجھنے والے، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''فضائلِ درود'' کو غلط کہنے والے، اجماعِ امت کا انکار والے وغیرہ وغیرہ

اب آپ بتائیں کہ مذکورہ بالا عقائد کے حاملین سب صحیح العقیدہ ہیں یا بعض؟......اور جب تک آپ یہ وضاحت نہیں فرماتے، آپ کا مذکورہ بالا فیصلے پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔لہٰذا واضح فرمائیں کہ کون کون سے طالب علم صحیح العقیدہ ہونے کی وجہ سے سند کے حق دار ہیں، اور کون سے فاسد العقیدہ ہونے کی وجہ سے سند محروم رہیں گے۔؟

معلوم رہے کہ صرف ''اہل السنة والجماعة'' کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، کیونکہ بریلوی حضرات بھی اپنے آپ کو ''اہل سنت'' کہتے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی اپنے آپ کو ''اصلی اہل سنت'' کہتے ہیں، منکرین حیات انبیاء بھی اپنے آپ کو ''اہل سنت'' کہتے ہیں۔لہٰذا ''اہل سنت'' کے عقائد کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔اُمید ہے کہ توجہ فرما کر جواب باصواب عنایت فرمائیں گے۔

السائل: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی، خادم: جامعہ عثمانیہ، ترنڈہ محمد پناہ، تحصیل لیاقت پور، ضلع رحیم یار خان

عموماً ہم لوگ بزرگانِ دین کی حیات میں اُن سے استفادہ نہیں کرتے، اور بعد از وفات اپنی بدنصیبی پر ماتم کرنے اور اُن کی قصیدہ گوئی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔لیکن یہ محض اللہ پاک ہی کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے ایک نیک بندے کی حیات دنیویہ میں ہی اُن سے ہمیں سچی عقیدت نصیب فرمائی اور استفادہ کا موقع بھی عطا کیا۔دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے سات سالہ قیام کے دوران تقریباً ہر ماہ حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا۔جب کراچی آ گیا تو دو تین ماہ بعد ضرور حاضری دیتا اور دعائیں حاصل کرتا تھا۔مجلّہ صفدر سمیت اہم دینی و مسلکی امور میں اُن سے مشاورت رہتی تھی۔ایک مرتبہ ایک بڑے عالم دین نے کسی غلط فہمی کی بنا پر حضرت رحمہ اللہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنا ڈالا، بندہ ناچیز کو علم ہوا تو درجِ ذیل عریضہ اُن کی خدمت میں ارسال کیا:

(بعد میں صورتِ حال واضح ہونے پر اُنہوں نے حضرت رحمہ اللہ سے تحریری طور پر معذرت کر لی تھی۔فجزاه الله خيرا)

محسن معظم، مخدوم مکرم، شیخ الحدیث حضرت مولانا..............................مدظلہم، اطال اللہ عمرک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں   بعدہ!

ا......کچھ دن قبل معلوم ہوا کہ آپ نے مناظر اسلام، وکیل دیوبند، پیکر اخلاص حضرت مولانا نور محمد تونسوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں چند خطوط ارسال فرمائے ہیں، ایک مکتوب بندہ نے بھی دیکھا، جس سے اندازہ ہوا کہ آنجناب مولانا موصوف کے مزاج سے واقف نہیں یا پھر کسی مسلک دشمن نے اُن کا غلط تعارف آپ کے گوش گذار کر دیا ہے۔یہ ناچیز کیونکہ عرصہ چھ سال سے مولانا کے قریب ہے، اس لیے ارادہ ہوا کہ جو کچھ بندہ نے محسوس کیا آپ کے گوش گزار کر دوں۔امید ہے اس ناچیز کے عریضے کو توجہ عنایت فرمائیں گے۔

مولانا نور محمد تونسوی مدظلہم سچے مسلمان، پکے حنفی، متصلب دیوبندی اور صحیح العقیدہ، مخلص، دیانت

دار، سنجیدہ، عاجز اور ذی استعداد عالم دین ہیں۔نہایت متقی، نیک اور پرہیز گار شخص ہیں۔مسلک دیوبند کی اشاعت وحفاظت کی خاطر میدان تحریر وتقریر میں گراں قدر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔بالخصوص فتنہ مماتیت کے حوالے سے آپ کی کتب ملک بھر کے طول وعرض میں خاصی مقبول ہیں۔

اور اپنی جملہ کاوشوں میں اکابر اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے سچے ترجمان اور مضبوط وکیل ہیں۔ حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ سمیت جملہ اکابر دیوبند پر بے پناہ، بھرپور اور مضبوط اعتماد کرتے ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چلنے میں عافیت ونجات منحصر سمجھتے ہیں۔کسی بھی شخص کو پرکھنے کے لیے ان کے پاس معیار اور کسوٹی اکابر دیوبند ہی ہیں۔

اِس کے ساتھ ساتھ اُن کے مزاج میں عاجزی، اِنکساری اور اِخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ضد، تعنت، اَناء، کبر اور شہرت پسندی سے بہت دور ہیں۔اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اُس کا اعلان تک شائع کرا کے اکابر کی یاد تازہ کر چکے ہیں۔حق بات قبول کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، اور باطل کو کسی صورت قبول نہیں کرتے۔کسی بھی مصلحت کی خاطر مسلک کو نہیں چھوڑتے، ہر مقام، ہر میدان، ہر موڑ اور ہر جگہ پر ہر کسی کے سامنے حق ہی بیان کرتے ہیں۔الحب لله و البغض فی الله کا خوب مصداق ہیں۔

ان کی انہی صفات کے پیش نظر بندہ ناچیز اُن پر ہر طرح کا اعتماد کرتا ہے اور ہر مسئلہ میں اُن کا حامی ہے۔

۲......کل رات......کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''خیال کرنا کہ مولانا نور محمد صاحب حمزہ کو استعمال نہ کریں!!''

اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ

[۱]۔مولانا نور محمد صاحب مد ظلہم درویش منش، فقیر اور سیدھے سادے بزرگ ہیں، بے حد متقی اور خوب دیانت دار ہیں۔کسی کو دوسرے کے خلاف استعمال کرنے والی چکر بازیاں اُن کو نہیں آتیں اور نہ ہی وہ ان کو پسند کرتے ہیں۔وہ تو صاف اور دوٹوک بات کرنے کے عادی ہیں۔

[۲]۔اگر مسلک حق کی اشاعت وحفاظت کی خاطر ایسے نیک بزرگ اِس ناچیز سے کوئی کام لے بھی لیں تو یہ اِس عاجز کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔

امید ہے حسب سابق اپنی شفقتوں اور دعاؤں میں فراموش نہیں فرمائیں گے۔

والسلام......حمزہ......۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ۔بمطابق 13 فروری 2012ء۔۔یوم الاثنین

آپ رحمہ اللہ کی ایک کتاب ''نمازِ جنازہ میں مسنون دعا'' کا تعارف کراتے ہوئے صفدر کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مد ظلہم لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی دامت برکاتہم العالیہ علمی حلقوں میں تعارف کی محتاج شخصیت نہیں ہیں۔ان کے شعلہ بار قلم نے مسلکی خدمات میں جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ تاریخ

ملت کے صفحات پر انمٹ نقوش کی مانند ثبت ہیں، رد رضاخانیت ہو یا لامذہبیت کی تردید، ایوانِ اعتزال پر تابڑ توڑ حملے ہوں یا قصر الحاد و زندقہ پر یلغار، اہل حق کا دفاع ہو یا فرق باطلہ وضالہ کا تعاقب، ہر میدان میں حضرت نے ایک قابل فخر شہسوار کی صورت میں اپنی خدمات پیش کی ہیں، حضرت کو اللہ تعالیٰ نے مختلف النوع خصوصیات سے نوازا ہے، وہ بہترین مقرر بھی ہیں اور قابل فخر مصنف بھی، میدان علم کے شہسوار بھی ہیں اور اخلاص وسادگی کے پیکر بھی، آسمان تصوف کے تابندہ ستارے بھی ہیں اور گلشن حکمت کے عندلیب بھی، مطالعہ اور کتب بینی کے شائق بھی ہیں اور نکتہ دان ونکتہ رس سراپا بھی، وہ اسلاف کے دفاع میں یکتا بھی ہیں اور اکابر کا نمونہ بھی، نرم خو، شیریں گفتار بھی ہیں اور مسلکی تصلب کے حامل بھی۔غرض گوناں گوں خصوصیات کا گلدستہ اور علم وعمل کے جامع ہونے کے باوصف فروتنی آپ کے انداز سے جھلکتی، انکساری برستی اور سادگی ٹپکتی ہے، اصاغر پروری اور ذرہ نوازی کا مشاہدہ احقر بارہا کرتا رہا ہے۔اس عظیم انسان کی کسی کتاب کے تعارف کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ حضرت کی تصنیف وتالیف ہے۔

ردمماتیت آپ کا خاص موضوع ہے اور بلاشبہہ حضرت اس میدان کے مایۂ ناز سپوت ہیں، اس موضوع پر آپ کی تالیف ''قبر کی زندگی'' جس نے ایوانِ مماتیت میں زلزلہ برپا کر رکھا ہے، چار درجن سے زائد آیات اور ڈیڑھ صد احادیث اور دیگر بے شمار فوائد پر مشتمل ہے۔یقیناً یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر گھر کی زینت اور ہر لائبریری کا سنگھار ہو، اسی طرح ''مولانا محمد طیب پنج پیری کی خدمت میں ایک سو چار (۱۰۴) سوالات'' اور مزید ''تین سو پینتیس (۳۳۵) سوالات'' نے بھی قصرِ اعتزال میں کھلبلی مچا رکھی ہے اور مماتیوں کے بڑے بڑے جغادری بھی ان دندان شکن سوالات کے جوابات دینے سے بے بس ہیں۔

''اسلام کے نام پر ہویٰ پرستی'' نے عثمانی فرقہ کے الحاد وضلالت پر مبنی نظریات کا قلع قمع کیا ہے، اسی طرح ''منکرین حیاتِ قبر کی خوفناک چالیں'' اور دیگر کتب کا مطالعہ بھی عوام وخواص کے لیے سودمند ہے۔

''عذاب قبر کی صحیح صورت کے منکر کا شرعی حکم'' بھی حضرت کی کاوشوں کا عظیم شاہکار ہے جس میں متبحر علماء کرام اور مقتدر مفتیان عظام کے ان فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے جن میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں تحریر فرمادیا کہ عذاب قبر کی صحیح صورت کا منکر کوئی بھی ہو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے اور اس عقیدہ کے حامل امام کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔

اسی طرح تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات بھی آپ کے جاندار قلم سے صادر ہو چکے ہیں جو آپ کے تبلیغی جماعت کے ساتھ والہانہ لگاؤ کا بین ثبوت ہیں۔اسی طرح بعض دیگر فرق ضالہ وباطلہ کی تردید میں آپ کی مفید کتب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت نے رضاخانیت کا تعاقب بھی جاری رکھا ہوا ہے، چنانچہ ''حقیقی نظریات صحابہ'' اور بعض دیگر رسائل کے ذریعہ ان کا کامیاب رد کیا ہے۔اسی سلسلہ کی ایک تازہ تالیف ''نمازِ جنازہ میں مسنون دعا'' آپ کے ہاتھوں میں ہے جو بدعات کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کے لیے روشن چراغ ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت کی مساعیِ جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشیں، اہل بدعت کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں اور اس کتاب کی کمپوزنگ، تصحیح، ترتیب اور املاء میں تعاون کرنے والوں بالخصوص حضرت کے صاحبزادہ مولانا احمد اللہ صاحب اور برادرم مولانا سرفراز حسن خان حمزہ سلمہ کو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

جمیل الرحمٰن عباسی......ذوالحجہ۱۴۳۲ھ

مجلّہ صفدر کے ''فتنۂ غامدی نمبر'' کے لیے سب سے پہلے حضرتؒ ہی کا مضمون موصول ہوا۔اور بندۂ ناچیز اِس بے پناہ شفقت پر اُن کا زبانی شکریہ ادا کر چکا تھا اور تحریری طور پر خصوصی شکریہ کا عزم رکھتا تھا جو اَب خصوصی دعاؤں کے عزم میں بدل گیا ہے۔''فتنۂ غامدی نمبر'' میں ہم اُس مضمون سے مستفید ہوں گے۔ان شاءاللہ

۱۵ / جنوری ۲۰۱۵ء بروز جمعرات دن ایک بجے اہل سنت کا یہ عظیم راہ نما، مسلک دیوبند کا بے باک ترجمان خالق حقیقی سے جاملا۔ جمعہ کے روز وصیت کے مطابق بڑے صاحبزادہ مولانا احمد اللہ تونسوی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حسبِ وصیت ترنڈہ کے عام قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ جنازہ میں شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی، شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی، مولانا مفتی عطاء الرحمٰن، مولانا عبدالقدوس قارن، مولانا منیر احمد منور سمیت بیسیوں کبار علماء، سیکڑوں طلباء سمیت ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔

پسماندگان میں بیوہ، تین بیٹے (مولانا احمد اللہ، مولانا عبیداللہ، مولانا حامداللہ) اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے، اُن کی اولاد کو اُن کا صحیح جانشین بنائے اور اُن کے قائم کردہ ادارہ جامعہ عثمانیہ سمیت تمام باقیات صالحات کو تاقیام قیامت سلامت وآباد وشاد رکھے۔آمین۔

مجلّہ صفدر اپنی روایت کے مطابق ان شاءاللہ حضرت رحمہ اللہ پر خصوصی اشاعت شائع کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔تمام اہل علم وقلم سے حسب سابق بھرپور علمی وقلمی تعاون کی خصوصی درخواست ہے۔ اللہ پاک اپنے اس نیک بندے کے صدقے ہم سب کی بخشش فرمائے اور سب کو اکابر اہل سنت کے نقش قدم پر مضبوطی سے قائم ودائم رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم۔صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام......حمزہ احسانی

☆......☆......☆......☆

راوی: جناب سردار احمد صاحب، واہنڈو، گوجرانوالہ
تحریر: مولانا حافظ محمد منیر صاحب، کوہلوتارڑ، گوجرانوالہ

مرشد کی تلاش میں......امام اہل سنت کے در پر

......قسط نمبر ۲......

واقعہ، جس نے بے چین کر دیا:

پھر مجھے مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے ایک واقعہ سنایا جس سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی طرف میرا میلان بڑھا اور آپؒ کے دست اقدس پر بیعت کے لیے دل راضی ہوا۔

مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ: ایک آدمی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میں کسی سے بیعت ہونا چاہتا ہوں، آپ راہ نمائی فرما دیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: لاہور میں ایک بہت بڑے بزرگ حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب ہیں، آپ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں۔ وہ آدمی کسی وجہ سے اُس دن لاہور نہ جا سکا۔ رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ: چودھویں رات کا چاند پورے جوبن پر ہے، لیکن آدھا سفید ہے اور آدھا سیاہ۔ صبح وہ آدمی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب سنایا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا: یہ وہی چاند ہے جس کا میں نے آپ کو بتایا تھا۔ یہ حضرت لاہوری ہیں۔ جن کے نور سے پوری دنیا روشن ہے۔ اور آپ کے خواب سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بس اب چند ساعتوں کے مہمان ہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے جاؤ اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہو جاؤ! بڑی نسبت قائم ہو جائے گی۔ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ: وہ آدمی ابھی وہیں تھا، یا روانہ ہی ہوا تھا کہ خبر ملی: حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

اس واقعہ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ اتنے بڑے شیخ سے بیعت ہوئے بغیر واپس آ گیا ہوں۔ لیکن اب فوری طور پر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا مشکل تھا۔ میں نے مولانا عطاء الرحمٰن صاحب سے کہا کہ: اب تو میں آ گیا ہوں۔ ان شاء اللہ اگلے ہی ہفتے حضرت کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ اور دل میں حاضری کا پختہ عزم کر لیا۔ اس کے بعد میں گھر چلا آیا۔

اُسی رات میں نے عجیب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی آواز دینے والا آواز دے رہا ہے کہ: ''اٹھو! اللہ تعالیٰ کا دربار لگا ہوا ہے، نیک بزرگ کثیر تعداد میں موجود ہیں، جس کے ہاتھ پر جی چاہے بیعت کر لو!'' میں اٹھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ نورانی چہروں والے بزرگوں کی ایک کثیر تعداد وہاں موجود

ہے۔ وہ قطار در قطار کھڑے ہیں۔ میں گزرتا جاتا ہوں اور دیکھتا جاتا ہوں۔ کچھ دیر بعد میری نظر حضرت شیخ رحمہ اللہ پر پڑتی ہے جوان بزرگوں کی قطار میں کھڑے ہیں۔ میں حضرت کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے ٹھٹھکا کہ حضرت بھی یہاں موجود ہیں۔ پھر آگے کی طرف چل دیا۔ جب حضرت کے پاس سے گزرا تو حضرت مسکرا دیئے۔ میں بھی مسکرایا۔ لیکن رکا نہیں بلکہ سوچا کہ آگے بزرگوں کی لمبی قطار ہے، آگے چلتا ہوں۔ دو تین قدم آگے بڑھا تو دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ پھر مسکرا رہے ہیں۔ میں ابھی اور آگے چلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میری والدہ کی آواز ''سردار بیٹا! اٹھو! فجر کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔'' سے میری آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد میرے دل میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی محبت گھر کر گئی، اور میں نے مضبوط ارادہ کرلیا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ہاتھ پر ہی بیعت ہوں گا۔ کہیں اور نہیں جاؤں گا۔

شیخ کی خدمت میں دوسری حاضری اور شرف بیعت:

چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد دوبارہ گکھڑ حاضری ہوئی، حسب سابق میرے لیے چائے وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ ؒ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ: ''بھئی! میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو تو کوئی بڑا پیر چاہیے، میں تو بڑا پیر نہیں ہوں''۔ میں نے عرض کیا کہ: حضرت! میں نے ہر حال میں آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہے۔ حضرت شیخ ؒ مجھے ٹالتے رہے اور میں اصرار کرتا رہا، بالآخر جب حضرت نے میرے ارادہ کی پختگی کو دیکھا تو فرمایا کہ: واقعی آپ مجھ سے ہی بیعت ہونا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کہ حضرت واقعی ضرور میں آپ ہی سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت شیخ ؒ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی اور میں نے یہی جواب عرض کیا۔

حضرت نے مجھے چند نصیحتیں ارشاد فرمائیں اور توجہ کروائی تو میں نے اپنے دل میں ایک عجیب سی خوشی محسوس کی۔ اور کیوں نہ کرتا؟ میرے ہاتھ اس عظیم شخصیت کے ہاتھوں میں تھے جن کی زیارت کے لیے بڑے بڑے علماء اور شیوخ بھی بے چین رہتے تھے، میں اپنے مقدر پر ناز کرتا ہوا خوشی خوشی گھر لوٹ آیا۔ جب میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو میرے دامن میں کچھ نہیں تھا، لیکن جب واپس لوٹا تو میرا دامن اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت اور روحانیت سے بھرپور تھا، اس کے بعد میں نے اپنی زندگی میں ان انوار و برکات اور اسرار کا مشاہدہ کیا کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔

پہلی کرامت: جب میں نے حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی تو میرے دل میں خیال آرہا تھا کہ جب کوئی مرید اپنے پیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو پیر صاحب کوئی نہ کوئی چیز ہدیہ فرماتے ہیں۔

چند معمولات وغیرہ ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت تسبیح بھی مجھے اپنی طرف سے عطاء کر دیں تو کیا ہی اچھا ہوگا۔ اس لیے کہ بابرکت تسبیح ہوگی اور ذکر کرنے کا لطف ہی اور ہوگا۔ ابھی یہ بات میرے دل میں آ رہی تھی کہ حضرت شیخؒ اندر سے مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں نے حضرت شیخ کو دیکھا تو فرما رہے تھے کہ ''لو بھئی سردار خان! تسبیح ہم آپ کو دے دیتے ہیں، اِس پر ذکر کرنا'' اللہ اکبر! میں دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا کہ حضرت شیخ کو میرے ارادہ کا کیسے پتہ چل گیا لیکن میں نے علماء سے سنا ہوا تھا کہ اللہ والے اہل دل ہوتے ہیں۔ وہ صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ اللہ پاک موقع محل کے مطابق اُن کے دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔ میرے دل کو تسکین ہوگئی۔

دوسری کرامت: میرے دل میں اپنے شیخ کی محبت انتہا درجہ کی تھی اور ہونی بھی چاہیے، لیکن ایک واقعہ نے تو اس محبت میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ ہمارے علاقہ کا ایک آدمی میرا دوست تھا، وہ اصرار کر رہا تھا کہ میں نے بھی حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہے، اس مقصد کے لیے ہم نے گوجرانوالہ جانے کا پروگرام بنایا، عصر کے بعد جب ہم حضرت شیخ رحمہ اللہ کی رہائش گاہ پر (گکھڑ) پہنچے تو پتہ چلا حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ (غالباً کسی تکلیف کی وجہ سے) میں نے چونکہ فیصل آباد جانا تھا، لہٰذا میں چلا گیا۔ اور میرا دوست کہنے لگا میں تو اب حضرت کی زیارت کر کے ہی واپس جاؤں گا، لہٰذا وہ وہیں ٹھہر گیا اور حضرت کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس دوست کا بیان ہے کہ میں مسجد میں تھا، نماز مغرب کا وقت گزر چکا تھا اور کچھ اندھیرا چھا چکا تھا، نماز مغرب سے فارغ ہو کر میں نے دروازے پر دستک دی، مجھے اندر بلایا گیا، بجلی بند تھی۔ وہ کہتا ہے کہ: جب میں اندر داخل ہوا تو حضرت برآمدے میں تشریف فرما تھے، مجھے یوں لگا کہ ایک چراغ جل رہا ہے، جس کی روشنی سے سارا ماحول منور ہو رہا تھا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ چراغ نہیں بلکہ روشنی حضرت شیخؒ کے سر مبارک سے نکل رہی تھی۔ اس واقعہ سے تو میں اپنے مرشد جی کا دیوانہ ہو گیا۔

حضرت شیخ میرے غریب خانہ پر:

بہت عرصہ سے میرے دل کی تمنا تھی کہ میں حضرت شیخؒ کو اپنے گھر لے جانے کا شرف حاصل کروں، کئی مرتبہ حضرت سے عرض بھی کیا، لیکن حضرت عذر کرتے رہے، اور میرا اصرار بڑھتا رہا۔ ایک دن حضرت شیخ بڑی شفقت سے فرمانے لگے: ''سردار خان! مجھے بتاؤ کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری داڑھی سفید ہے، تو میری خوشدامن کتنی بوڑھی ہونگی؟'' میں نے عرض کیا: حضرت وہ بھی ضعیف ہی ہوں گی، تو حضرت نے فرمایا کہ: انہوں نے مجھ سے کئی مرتبہ اصرار کیا ہے کہ آپ اگر زیادہ وقت کے لیے نہیں تو ایک گھنٹے کے لیے ہی ہمارے گھر آ جاؤ۔ لیکن میرے پاس جانے کا وقت ہی نہیں۔ اس سے آپ خود اندازہ کر لیں

کہ میں آپ کے یہاں جاسکتا ہوں یا نہیں؟

یہ بات سن کر تو میں بالکل ہی لاجواب ہوگیا اور واپس گھر آ گیا۔ لیکن میرے دل کو اطمینان نہیں ہوتا تھا، میری یہ تمنا روز بروز بڑھتی ہی رہی، ایک دن میں نے مولوی عطاء الرحمٰن صاحب سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ کسی طریقے سے حضرت شیخ سے گھر آنے کا وعدہ لے لیں، جب حضرت وعدہ فرمالیں گے تو پھر ضرور تشریف لائیں گے۔ چنانچہ میں کئی دنوں کے بعد گکھڑ حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ہمارا گھر آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے پھر وہی عذر پیش کیا، لیکن میں نے بہت اصرار کیا تو حضرت فرمانے لگے: چلو ٹھیک ہے اور تقریباً دو ماہ بعد کا وقت طے ہوا کہ فلاں دن چلیں گے، اور فرمایا: لیکن دیکھو بھئی! ہماری چند شرائط ہوں گی۔ سب سے اول یہ کہ ہم صبح چلیں گے، لیکن عصر کی نماز میں نے آ کر گکھڑ میں ادا کرنی ہے، جبکہ میری تمنا تھی کہ حضرت رات کا قیام ہمارے ہاں کریں۔ اس وقت تو میں خاموش ہوگیا، لیکن میں نے دل میں سوچا کہ وہاں جا کر منت سماجت کرلوں گا۔

بہر حال وقت طے ہوگیا، میں بڑی خوشی سے وہاں سے اٹھا اور گھر چلا گیا۔ وقت گزرتا گیا، لیکن ایک ایک دن بڑی مشکل سے گزرا۔ کہتے ہیں کہ انتظار کرنا بھی بہت مشکل مرحلہ ہے، آخر وہ وقت بھی آن پہنچا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ میں اور مولوی عطاء الرحمٰن صاحب اور ایک میرے چچازاد بھائی ہم تینوں حضرت شیخ ؒ کو لینے کے لیے گکھڑ پہنچے، حضرت شیخ ؒ کے گھر ہمیں بیٹھک میں بٹھادیا گیا اور خوب ضیافت فرمائی۔ ابھی برتن اٹھائے ہی تھے کہ اندر سے حضرت شیخ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ: ہاں بھئی سردار خان! کیا ارادہ ہے؟ چلنے کا یا تھوڑی دیر ٹھہرنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: حضرت! چلتے ہیں، کیونکہ میری یہ خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت حضرت کا میرے گھر میں گزرے، لہٰذا ہم فوراً گکھڑ سے روانہ ہوگئے۔

مساوات کا عملی نمونہ:

تقریباً ۱۰ بجے کے قریب ہم واہنڈو پہنچے، گھر پہنچ کر میں نے حضرت جی کو ایک کمرے میں بٹھادیا، ہمارے ایک چچا جان پہلے سے کمرے میں موجود تھے، وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، جب حضرت شیخ کرسی پر بیٹھے تو وہ بلحاظ ادب نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا: ''بزرگو! آپ کرسی پر بیٹھ جائیں'' تو انہوں نے کہا کہ: حضرت! آپ کے برابر بیٹھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ''پھر ہم بھی نیچے بیٹھ جاتے ہیں''۔ (سبحان اللہ! کیا بات ہے ہمارے اکابرین کی کہ یہ گوارا نہیں کیا کہ میں کرسی پر بیٹھوں اور دوسرے لوگ نیچے۔ حقیقت میں ہمارے اکابر صحیح معنوں میں سنت نبوی پر عمل کرنے والے تھے۔ وہ ان پیروں کی طرح نہیں تھے جن کو شریعت وسنت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ بس مریدوں سے مال بٹورنا شیوہ ہوتا ہے۔ الامان والحفیظ)

میں نے جلدی سے چچا کو پکڑ کر کرسی پر بٹھادیا تاکہ کہیں حضرت شیخ رحمہ اللہ نیچے نہ بیٹھ جائیں۔ میرا چچا اس بات سے بڑا متاثر ہوا۔(کیونکہ ان کا تعلق تو ایسے پیروں سے تھا جو کسی مرید کے پاس بیٹھنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔[نعوذ باللہ من ذلک]) اور کہنے لگا کہ ''جب ہمارے پیر صاحب تشریف لاتے ہیں تو ہم تو سب نیچے بیٹھتے ہیں اور پیر صاحب کو پلنگ پر بٹھاتے ہیں''۔

تیسری کرامت: ہمارے حضرتؒ تو سراپا کرامت تھے، میں نے ان کی آمد پر ایک اور کرامت کا مشاہدہ یہ کیا کہ میں نے کھانا صرف پندرہ آدمیوں کا بنایا ہوا تھا۔اور میں اپنے کاموں میں مصروف تھا۔لوگوں کی آمد ورفت تھی۔ میرے اہل خانہ نے بتایا کہ حضرتؒ نے تھوڑا تھوڑا کھانا منگوایا اور اس میں سے کچھ تناول فرما کر حکم دیا کہ اس کو ہنڈیا میں ڈال دو! چنانچہ گھر والوں نے ایسا ہی کیا۔بس پھر کیا تھا، وہ پندرہ آدمیوں کا کھانا تقریباً ساٹھ ستر افراد نے کھایا اور کھانا ابھی بھی باقی تھا۔(سبحان اللہ، کیا برکت ہے اللہ والوں کی۔)

ظہر کا وقت ہونے لگا تھا، میں نے اپنے اسی دوست کو کہا کہ حضرت کا وضو بنوادو! میرے اسی دوست کا بیان ہے کہ جب حضرت جی نے وضو کرنے کے لیے سر سے عمامہ اتارا تو میں نے آسمان کی طرف دیکھا، وہی روشنی والا منظر جو میں نے حضرت شیخؒ کے گھر دیکھا تھا، مجھے پھر نظر آیا۔

چوتھی کرامت: پروگرام ظہر کے بعد مولوی عطاء الرحمٰن صاحب کی مسجد میں تھا،لہٰذا ہم پروگرام کے لیے روانہ ہوئے، مسجد میں پہنچ کر نماز ظہر ادا کی تو حضرت نے نماز کے بعد مختصر بیان کیا۔میرے ارادہ تھا کہ حضرت کو دوبارہ گھر لے جاؤں گا۔ پروگرام سے فراغت کے بعد میں نے ڈرائیور سے کہا کہ: اب گھر جانا ہے،لہٰذا گاڑی ہمارے گھر کی طرف لے چلو۔ جب وہ بازار آیا جو ہمارے گھر کی طرف جاتا ہے تو میں نے ڈرائیور کو ہاتھ سے زور سے جھنجھوڑا بھی کہ گاڑی کا رخ گھر کی طرف کرے،لیکن اس کے باوجود گاڑی سیدھی سڑک پر لے گیا جو گوجرانوالہ جاتی ہے، جب وہ منڈی کے قریب پہنچا تو پھر میں نے اس کو اشارہ کیا،لیکن گاڑی سیدھی گوجرانوالہ کی طرف رواں دواں تھی۔ مجھے ڈرائیور پر بہت غصہ آیا،لیکن کیا کرتا، خاموشی سے صبر کے ساتھ بیٹھا رہا۔سفر جاری رہا حتی کہ ہم گکھڑ پہنچ گئے اور نماز عصر جامع مسجد گکھڑ میں ادا کی۔

واپسی پر میں نے ڈرائیور سے ناراضگی کا اظہار کیا اور اسے ڈانٹا تو اس نے کہا: بھائی جان! بڑا عجیب کام ہوا، میں نے پورا زور لگایا کہ گاڑی گھر کی طرف لے چلوں،لیکن ایسے تھا جیسے کسی پہاڑ کو ہاتھ ڈالے ہوئے ہوں۔اسٹیرنگ اس طرف مڑ ہی نہیں رہا تھا۔اور میں خود اس بات پر سخت حیران تھا۔

اوہو! میں نے سوچا کہ یہ بھی تو حضرت کی کرامت ہے کہ جو بات زبان سے نکالتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتے ہیں۔حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ عصر کی نماز گکھڑ آکر ادا کرنا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ: ''اللہ کی تدبیر ہی بہتر اور کامیاب ہوتی ہے۔'' (جاری۔۔۔۔)

ڈاکٹر محمد اِلیاس فیصل [فاضل مدینہ یونیورسٹی، رُکن مراجعہ کمیٹی مصحفِ تاج]

کنگ فہد کمپلیکس میں مصحفِ تاج کی طباعت

قرآن کمپلیکس[1] مدینہ منورہ قرآنِ کریم کی طباعت و اِشاعت کا عالمی اِدارہ ہے، خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز آلِ سعود نے ۱۴۰۵ھ میں اِس کا اِفتتاح کیا، جس میں قرآنِ کریم کا پہلا اَیڈیشن ۱۴۰۵ھ میں تیار ہوا اور اُس نسخہ کو ''مصحف المدينة النبوية'' کا عنوان دیا گیا۔ اِس کے آخر میں ایک تعارفی رپورٹ ملحق ہے جس میں اِس نسخے کے رسم کی کتابت میں جس منہج کو اختیار کیا گیا اِس کا تعارف یوں لکھا ہے:

" قدروعي في ذلك مانقله الشيخان ابو عمرو الداني وابوداؤد بن سليمان بن نجاح مع ترجيح الثاني عندالاختلاف غالبا وقد يؤخذ بقول غيرهما."

اِس قرآنِ کریم کی کتابت میں ائمہ رسم شیخ اَبوعمرو الدانی اور شیخ اَبوداوٗد بن سلیمان بن نجاح کی تصریحات کو بنیاد بنایا گیا ہے اور جن مقامات پر اِن دونوں میں باہم اِختلاف ہو تو وہاں اَبوداوٗدؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے اور کہیں کہیں اِن دونوں کے علاوہ رسم کے کسی دُوسرے ماہرِ فن کے قول کو بھی اِختیار کیا گیا ہے۔

مزید لکھا ہے کہ:

اِس قرآنِ کریم کے ضبط (اعراب، زبر، زیر، پیش، جزم وغیرہ) کی تحریر میں مشارقہ کا منہج اپنایا گیا ہے۔

واضح رہے کہ رسم وضبط کا یہ منہج عرب علاقوں میں متعارف ہے، برِصغیر پاک و ہند و دیگر عجمی ممالک میں رسم وضبط کا یہ منہج متعارف نہیں ہے، وہ اِس منہج کو اور خصوصًا اِس ضبط کو صحیح پڑھ بھی نہیں سکتے، بطورِ مثال اِس ضبط مشارقہ کی رُو سے اِقْتَرَبَ ، اَلْقَارِعَةُ ، اُقْتُلُوْا جیسے کلمات میں یکساں علامت وصل کی لگی ہوئی ہے، جبکہ اِقْتَرَبَ ہمزہ کی زیر سے، اَلْقَارِعَةُ ہمزہ کی زبر سے اور اُقْتُلُوْا ہمزہ کی پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

عرب لوگ اپنی عربی دانی کی بناء پر اِن تین مختلف الحرکات کلمات کو بالکل صحیح پڑھیں گے، جبکہ غیر عربی مسلمان اِن کلمات کو تب ہی صحیح پڑھ پائیں گے جب ہر کلمہ کے ہمزہ پر اُس کی مطلوبہ حرکت کو متعین کر کے لکھا جائے اور ضبط کے رموز و اِشارات چونکہ اِجتہادی ہیں، لہٰذا عجمی علاقوں میں شائع ہونے والے مصاحف میں ضبط کا ایسا منہج اپنایا گیا ہے جس میں اُن کے لیے قرآنِ کریم کو صحیح پڑھنا ممکن ہو۔

قرآن کمپلیکس میں مصحفِ تاج کی طباعت کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

۱۴۰۵ھ میں قرآن کمپلیکس میں عربی رسم وضبط والا نسخہ ''مصحف المدينة النبوية'' چھپا تو حرمین شریفین و دیگر مرکزی مساجد میں یہی نسخہ رکھ دیا گیا اور اس کے علاوہ دیگر ممالک کے مطبوعہ نسخوں کو

وہاں سے اُٹھالیا گیا۔ اَب ہونے یہ لگا کہ غیر عرب مسلمان تلاوت کے لیے اِس کو کھولتے تو اِس رسم وضبط کو پڑھنا اُن کے لیے ممکن نہ ہوتا تو وہ بڑے اَدب سے اِس کو بند کر کے رکھ دیتے۔ جب یہ صورتحال صدر اِسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے علم میں لائی گئی تو اُنہوں نے مملکتِ سعودی عرب کے ذمہ داران کو تجویز پیش کی کہ قرآن کمپلیکس ہی میں اِسی عالمی وعلمی معیار کے مطابق ایک ایسا رسم وضبط والا نسخہ بھی چھاپ دیا جائے جس کو پڑھنا اِن غیر عرب مسلمانوں کے لیے بھی ممکن ہو۔ مملکتِ سعودی عرب نے اُن کی اِس تجویز کو بڑی فراخ دِلی کے ساتھ قبول کر لیا اور حکومتِ پاکستان کا منتخب کردہ تاج کمپنی کا یہ مطبوعہ نسخہ قرآن کمپلیکس میں چھاپ دیا گیا۔ سعودی عرب کے سرکاری ترجمان رسالے میں اِس کی تفصیل یوں بیان کی گئی:

''سعودی وزیر حج واَوقاف (شیخ عبدالوہاب عبدالواسع) کو پاکستانی حکومت نے یہ پیغام دیا ہے کہ قرآنِ کریم کو اُس خط میں بھی طبع کرائیں جو جنوب ایشیاء کے ممالک اور جنوب مشرقی دُنیا اور خصوصًا پاکستان کے مسلمان پڑھتے ہیں۔ وزیر مذکور نے حکومتِ پاکستان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ کنگ فہد قرآن کمپلیکس میں یہ قرآنِ کریم بھی چھپوادیں گے تاکہ وہ حرمین شریفین میں رکھا جائے اور پاکستان سمیت دیگر متعلقہ اِسلامی ممالک میں تقسیم بھی کیا جائے[۲] خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز آلِ سعود نے حکومتِ پاکستان کے منتخب نسخہ قرآنِ کریم کی طباعت واِشاعت کا حکم صادر کیا اور ۱۹۸۹ء میں یہ قرآنِ کریم چھپ کر تیار ہو گیا۔''

مصحفِ تاج اور قرآن کمپلیکس کا نظامِ مراجعت:

قرآن کمپلیکس میں اعلیٰ سطح کی ایک علمی کمیٹی مراقبۃ النص کے نام سے موجود ہے جو اِس کمپلیکس میں چھپنے والے ہر قرآنِ کریم کو رسم وضبط کے حوالے سے چیک کرتی ہے اور اگر اُس میں کوئی تصحیح مطلوب ہو تو اُس تصحیح کا حکم صادِر کرتی ہے اور اِس کمیٹی کی فائنل منظوری کے بعد ہی وہ قرآنِ کریم زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آتا ہے۔

واضح رہے کہ اِس مراقبۃ النص میں سعودیہ، مصر کے جامعہ اَزہر، موریتانیا، پاکستان اور شام کے ۲۵ نمائندے موجود ہیں جو علم رسم وضبط کے ماہر اور متخصص ہیں۔ مصحفِ تاج[۳] کا نسخہ قرآن کمپلیکس میں پہنچا تو حسبِ نظام یہ نسخہ مراقبۃ النص کے سپرد ہوا جس کے مراجعہ اور نظرِ ثانی کے لیے درجِ ذیل علماء کی کمیٹی تشکیل دی گئی:

مصحفِ تاج کی مراجعہ کمیٹی کے اَرکان:

(۱)......فضیلۃ الشیخ عبدالمتعال منصور عرفہؒ، مدیر مراقبۃ النص وفاضل جامعہ اَزہر (مدیر)

(۲)......فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بریؒ، نائب مدیر مراقبۃ النص وفاضل جامعہ اَزہر (نائب مدیر اَوّل)

(۳)......فضیلۃ الشیخ محمد الامین الشنقیطی، متخصص علم رسم وضبط (نائب مدیرِ دوم)

(۴)......فضیلۃ الشیخ حسین سلطان، فاضل جامعہ اَزہر۔(رُکن)

(۵)......(ناچیز) ڈاکٹر محمد اِلیاس، فاضل مدینہ یونیورسٹی (رُکن)

مصحفِ تاج کے مراجعہ کا طریقۂ کار:

مذکورہ مراجعہ کمیٹی نے پہلے مرحلہ میں مصحفِ تاج اور مصحفِ مدینہ نبویہ کا لفظاً لفظاً مقارنہ کیا اور رسم کے باہمی فروق کو مدون کیا، پھر ائمہ رسم کی تصریحات کے مطابق مصحفِ تاج میں موجود ہر ہر کلمہ کا جائزہ لیا، اِس جائزے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ائمہ رسم شیخ اَبوعمرو الدانیؒ [متوفی ۴۴۴ھ] اور شیخ اَبوداوٗد بن سلیمان بن نجاحؒ [متوفی ۴۹۶ھ] کے مابین جن کلمات کے رسم میں باہم اِختلاف ہے وہاں مصحفِ مدینہ نبویہ میں اِمام اَبوداوٗدؒ کے موقف کو ترجیح دی گئی ہے اور کبھی کبھی کسی دُوسرے اِمامِ فن کے موقف کو اِختیار کیا گیا ہے، جبکہ ایسے موقع پر مصحفِ تاج میں اِمام دانیؒ کے موقف کو اِختیار کیا گیا ہے اور کہیں کہیں کسی دُوسرے اِمامِ فن کے موقف کو بھی بنیاد بنایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ مصحفِ مدینہ اور مصحفِ تاج میں باہمی فروق کا بیشتر حصہ اِس پر مشتمل ہے کہ اِن کلمات میں الف لکھا جائے گا یا نہیں؟

اِمام دانیؒ اِن کلمات میں الف کو ثابت مانتے ہیں مثلاً طُغْيَانِهِمْ جبکہ اِمام اَبوداوٗد اِن کلمات میں الف نہیں لکھتے مثلاً طُغْيٰنِهِمْ علم رسم کی اِصطلاح میں اِس اِختلاف کو حذف و اِثبات کا عنوان دیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ائمہ رسم کے مابین حذف و اِثبات کے اِختلاف کی صورت میں مصحفِ مدینہ نبویہ میں اِمام اَبوداوٗدؒ کے موقف کو ترجیح دی گئی ہے، جبکہ مصحفِ تاج میں یہ کلمہ اِمام دانیؒ کے منہج کے مطابق لکھا گیا ہے، واضح رہے کہ مصحفِ مدینہ اور مصحفِ تاج میں حذف و اِثبات کے علاوہ اور بھی جو فروق تھے اُن میں بھی ائمہ رسم کی تصریحات کو تلاش کر کے اِن کلمات کی توثیق کی گئی، اَلبتہ مراجعہ کمیٹی کو مصحفِ تاج کے جن چند ایک کلمات کی کوئی دلیل نہ مِل سکی اُن کو مصحفِ مدینہ کے مطابق تبدیل کر دیا گیا۔

ایک علمی لطیفہ: عرب ممالک میں عام طور پر اِمام اَبوداوٗدؒ کا منہج پڑھا جاتا ہے اور وہی یہاں رائج ہے، تو ایک عرب عالم کو جب پتہ چلا کہ مصحفِ مدینہ اور مصحفِ تاج میں تقریباً دو ہزار فروق ہیں تو اُنہوں نے ایک علمی مجلس میں یہ کہہ دیا کہ مصحفِ تاج کی مراجعہ کمیٹی نے مصحفِ تاج میں دو ہزار غلطیاں نوٹ کی ہیں۔ (اِنہیں چونکہ دُوسرے منہج اِمام دانیؒ کی ترجیحات کا علم ہی نہیں تھا، لہٰذا اُنہوں نے اِمام اَبوداوٗدؒ اور اِمام دانیؒ کے مابین اِختلاف کی شکل میں باہمی فروق کو غلطیاں شمار کر لیا) وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

دُوسرا علمی لطیفہ: ہمارے یہاں فاء پر ایک اور قاف پر دو نقطے ہوتے ہیں۔ موریتانیہ اُن ممالک میں سے ہے جہاں فاء کا ایک نقطہ نیچے اور قاف کا ایک نقطہ اُس کے اُوپر لکھا جاتا ہے۔ ایک

موریتانی زائر مدینہ منورہ آئے تو وہ روزانہ شام کو تھکے ہارے گھر پہنچتے، ایک دِن میزبان نے پوچھ لیا کہ مکہ مکرمہ میں طواف اور سعی کا عمل ہوتا ہے وہاں پر تھکنا تو سمجھ میں آتا ہے، آپ کو مدینہ منورہ میں کیا چیز روزانہ تھکا دیتی ہے؟

موریتانی زائر کہنے لگے: میں موریتانیا سے ڈائریکٹ مدینہ منوہ پہنچا ہوں، مسجدِ نبوی بہت بڑا اِسلامی مرکز ہے، لیکن تعجب ہے کہ وہاں سارے قرآنِ کریم غلطیوں سے بھرے ہوئے ہیں، اُن میں فاء کا نقطہ نیچے لکھنے کی بجائے قاف کی طرح اُوپر لکھا ہوا ہے اور قاف کے اُوپر ایک کے بجائے دو نقطے لگے ہوئے ہیں، تو میں مسجدِ نبوی شریف میں جا کر صبح سے شام تک مصاحف میں یہ غلطیاں درست کرتا ہوں۔ میزبان چونکہ ضبط کے اِس فرق سے واقف تھے وہ صورتحال کو سمجھ گئے اور زیرِلب مسکرا دیے اور یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ ایک دو دِن بعد اِن کی واپسی ہے لہٰذا ایسا موضوع چھیڑنا مناسب نہیں جس کا سمجھنا اِس معصوم وسادہ لوح شخص کے بس کی بات نہیں۔

تیسرا علمی لطیفہ:

یہ دو علمی لطیفے لکھنے کی ضرورت اِس لیے محسوس ہوئی کہ گزشتہ دِنوں پاکستان کے مصاحف کی بابت ایک مضمون نظر سے گزرا جس کا عنوان تھا: ’’پاکستانی مصاحف کی حالتِ زار‘‘ اُس میں پاکستانی مصاحف کی بابت علی العموم جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ ایک تیسرے علمی لطیفے سے کم نہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ’’رسم توقیفی ہونے کہ وجہ سے اِس کی اَغلاط ناقابلِ قبول اور گناہ کا باعث ہیں، بعض مصاحف میں موجود رسم اور ضبط کی چند غلطیاں، ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔‘‘

آگے اُنہوں نے حذف واِثبات پر مشتمل چند اَغلاط ذکر کیں جن میں مصحفِ مدینہ نبویہ والے رسم مبنی علی الحذف کو صحیح اور مبنی علی الاثبات کو غلط شمار کیا، پھر دُوسرا عنوان قائم کیا: ’’اَغلاطِ ضبط کی چند مثالیں‘‘ اِس کے ذیل میں چھ مثالیں پیش کیں اور مصحفِ مدینہ نبویہ والے عربی ضبط کو صحیح اور ہمارے یہاں رائج ضبط کو غلط شمار کیا، بطورِ مثال اَلحمد میں الف پر زَبر کو غلط شمار کیا اور اَلحمد میں الف پر علامتِ وَصل کو صحیح شمار کیا۔

خلاصہ یہ کہ اِمام دانیؒ کے موقفِ حذف اور اِمام اَبوداؤدؒ کے موقفِ اِثبات میں سے اَوّل الذکر رسم کو غلط اور دُوسرے کو صحیح شمار کرنا اور ضبط کے اِجتہادی ہونے کے باوجود ایک ضبط کو صحیح اور دُوسرے کو غلط قرار دینا علمی دُنیا میں ایک لطیفے سے کم نہیں۔

یہی مضمون نگار ایک اور عنوان قائم کرتے ہیں :

> ’’اچھی کاوش: مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف سعودی عرب دُنیا کا وہ منفرد اِدارہ ہے جسے رسم عثمانی، ضبط، علم الفواصل اور رموزِ اَوقاف کے معروف قواعد کے ساتھ قرآنِ مجید کی طباعت کا اعزاز حاصل ہے، سعودی عرب کے اِس اِدارے کو نہ صرف روایتِ حفص کا مستند

ترین مصحف چھاپنے کا اِعزاز حاصل ہے بلکہ اُس نے دیگر متداول روایات (ورش، قالون اور دُوری) میں بھی کروڑوں کی تعداد میں مصاحف چھاپ کر مفت تقسیم کیے ہیں۔''

ہم موصوف مضمون نگار کے علم میں یہ بات لانا چاہتے ہیں کہ وہ جس اِدارے پر حسن اِعتماد کر رہے ہیں اُسی اِدارے نے مصحفِ تاج بھی ۱۴۰۹ھ میں چھاپا ہے اور ۲۶/سال سے طباعت و اِشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔

گزشتہ سطور میں سعودی وزیر حج کے بیان سے واضح ہے کہ حکومتِ سعودیہ اور **مجمع الملک فهد** نے علمی اور زمینی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ہمارے یہاں رائج اور متعارف رسم وضبط کے مطابق قرآنِ کریم چھاپا جبکہ یہ مضمون نگار مصحفِ مدینہ نبویہ کو اُن ممالک پر بھی مسلط کرنا چاہتے ہیں جس کا پڑھنا اُن کے بس کی بات نہیں۔ نیز سعودی وزیر حج کے بیان سے بڑا حکیمانہ موقف واضح ہوتا ہے کہ اِس مصحفِ تاج کو ہی اُن ممالک میں بھیجا جائے گا جو اِس سے متعارف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ **مجمع الملک فهد** عرب ممالک میں مصحفِ تاج تقسیم کے لیے نہیں بھیجتا اور پاکستان وغیرہ میں مصحفِ مدینہ نبویہ نہیں بھیجتا۔ اَلغرض مضمون نگار کا **مجمع الملک فهد** پر حسنِ اِعتماد اور اُس کے طرزِ عمل سے اِختلاف عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہم گزارش کرتے ہیں کہ خدارا!

(۱)......مسلمہ حقائق کو متنازع نہ بنائیں۔ (۲)......زمینی حقائق کا اِدراک کریں۔

(۳)......اُمت میں (اور پاکستان میں بطورِ خاص) ایسے ایشوز کو نہ اُچھالا جائے جس سے اِنتشار اور خلفشار میں اِضافہ ہو۔

(۴)......پاکستان کے اِنتظامی اِدارے ذمہ داری کا مظاہرہ کریں اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جس کے منفی نتائج قوم کو بھگتنا پڑیں۔

(۵)......رسم وضبط کا یہ متعارف سلسلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ ایک اَرب مسلمانوں کا مسئلہ ہے جہاں یہ مصحف متارف ہے، لہٰذا اِس بارے میں کوئی ایسا قدم نہ اُٹھایا جائے جس سے پاک و ہند کے مسلمانوں کو دُشواری کا سامنا ہو۔

ڈاکٹر محمد اِلیاس فیصل، فاضل مدینہ یونیورسٹی

رُکن مراجعہ کمیٹی مصحفِ تاج، **مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف**

(سابقہ) رُکن **مراقبة النص مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف**

☆......☆......☆......☆

۱؎ اِس مضمون میں مراد **مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف** مدینہ منورہ ہے۔

۲؎ **مجلة التضامن الاسلامی . شعبان ۱۴۰۸ ھ صفحه ۵۱ تا ۸۸**

۳؎ مصحف تاج سے مراد تاج کمپنی کا پندرہ لائن والا نسخہ ہے۔

حمزہ احسانی

ملفوظاتِ حضرت نعمانی

شیخ التفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کی حسین مجالس کا تذکرہ

ارشاد فرمایا:......استاذِ محترم حضرت مولانا حبیب اللہ گمانوی صاحب رحمہ اللہ ہر جگہ مجھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے، کہیں بھی سفر پر جانا ہوتا تو میں ساتھ ہوتا تھا، ایک دن میں نے عرض کیا کہ: ''حضرت! آپ ہر جگہ مجھے ساتھ لے جاتے ہیں، ایک سفر اور بھی آنے والا ہے، (آخرت کا سفر) اس میں بھی مجھے ساتھ لے جائیں گے ناں؟'' شیخ کا اِس نالائق کو رفیقِ سفر بنانا تربیت کے لیے ہوتا تھا۔

ارشاد فرمایا:......بیت اللہ کے گیارہ معمار ہیں: [۱] فرشتے۔[۲] آدمؑ۔[۳] شیثؑ۔[۴] ابراہیمؑ۔[۵] عمالقہ۔[۶] بنوجرھم [۷] قصی۔[۸] قریش۔[۹] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔[۱۰] حجاج۔[۱۱] سلطان مرادخان ترکی۔ اِس شعر میں دس کا ذکر ہے۔

بَنٰی بیتَ ربِّ العرشِ عشرٌ فخذھمٗ ملائکۃُ اللّٰہِ الکِرامُ وآدمٗ
فشیث، فابراھیم، ثم عمالقٌ قُصیٌّ، قریش، قبل ھذینِ جرھمٗ
فعبدالإلٰہِ بن الزبیر بنیٰ کذا بناء لحجاج وھذا متممٗ

ان کے بعد (گیارہواں) سلطان مرادخان ترکی بھی معمار ہے۔

ارشاد فرمایا:......مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ایک غیر مقلد آبادی سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بھی جاتا تو نماز میں ''قصر'' کرتا تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا: "واذا ضربتم فی الارض......الخ" کے تحت جب بھی زمین میں سفر کریں گے بس ''شرعی سفر'' شمار ہوگا اور نماز قصر پڑھیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا: پھر تو جب گھر سے مسجد کی طرف نکلو تب بھی قصر کرنی چاہیے، کیونکہ گھر سے مسجد تک کا سفر بھی زمین کا ہی سفر ہے......!!اس پر خاموش ہوگیا۔

ارشاد فرمایا:......انگریزوں اور دین دشمنوں نے بعض بہت غلط محاورے مشہور کردیئے ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے: چوری کرے ڈاڑھی والا، پکڑا جائے مونچھوں والا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ: چوری کرے پتلون والا، پکڑا جائے ڈاڑھی والا۔ اِسی طرح سرائیکی میں کہا جاتا ہے: ''ملا چور تے بانگا گواہ'' (امام چور، مؤذن گواہ [نعوذ باللہ]) حالانکہ ایسے ہونا چاہیے: مسٹر چور تے مسٹرانی گواہ۔

ارشاد فرمایا:......ایک جگہ مودودی صاحبان بیٹھے تھے، میں بھی موجود تھا، مجھے کہنے لگے: یہ ''ھوھوھو'' کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: قرآن میں ''ھو'' استعمال ہوا ہے، (جیسے: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم) یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی اسم ہے، آگے اس کی دو صفات ''الحی القیوم '' ذکر ہوئی ہیں۔ اگر اسم ذات نہ ہوتا بلکہ ضمیر ہوتا تو اس کی صفات نہ آتیں۔ (کیونکہ "الضمیر لا یوصَف و لا یو صف بہ"۔ضمیر نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت۔) بے چارے خاموش ہو گئے۔ (مودودی صاحب تو ذکرِ اسمِ ذات (اللہ) کے بھی منکر تھے، کہتے تھے کہ اللہ اللہ اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی آدمی کا نام بار بار لے مثلاً: زید زید زید، جیسے وہ بے فائدہ ایسے یہ بے فائدہ۔ نعوذ باللہ [حمزہ])

ارشاد فرمایا:......ایک غیر مقلد نے کسی بریلوی کی بیوی اڑا لی۔ لوگوں نے لعن طعن کیا تو کہنے لگا: بریلوی مشرک ہے، جب کہ یہ عورت مسلمان، اُس کا اِس کے ساتھ نکاح ہی نہیں ہوا۔ اس لیے میں لے آیا ہوں......!! یہ دہلی کی بہت پرانی بات ہے۔

......دورانِ سبق ایک مقام کے بارے میں (جو اَب یاد نہیں [حمزہ]) ارشاد فرمایا کہ: اِس مقام پر جلالین شریف میں بھی سہو ہے، خدا جانے کاتب سے غلطی ہوئی، یا مصنف سے سہو ہو گیا۔ موجودہ تمام نسخوں میں اِسی طرح لکھا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا: یہ لفظ کیا ہے، بعض دوسرے حضرات سے بھی پوچھ چکا ہوں، لیکن سمجھ نہیں آیا۔ تمام نسخوں میں لکھا بھی اِسی طرح ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ: حضرت! یہ لفظ ہی درست نہیں۔ صحیح لفظ یہ ہے۔ جب میں نے صحیح لفظ بتایا تو حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے اور فرمایا کہ: معنی تو اَب بالکل ٹھیک ہے، لیکن آپ اتنی دلیری سے اِس لفظ کو کیوں غلط کہہ رہے ہیں؟ کیا سب نسخوں میں غلط لکھا گیا ہے؟ کیا دلیل ہے آپ کے پاس کہ یہ لفظ غلط ہے؟ میں نے کہا: معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ موجودہ تمام نسخوں میں غلطی ہے۔ پھر اُن کو ایک پرانی شرح دکھائی، اُس میں درست لفظ تھا۔ تب اُن کی تسلی ہوئی۔ ☆☆

وفیات

محقق اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ......ترجمان دیوبند مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ

مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری [دیوبند] کے برادرِ صغیر مولانا عبد المجید قاسمی

مولانا عبد الرؤف نعمانی صاحب [خطیب: جامع مسجد برکت علی، لاہور] کے والدِ گرامی

قاری منظور احمد مدنی [بہاول پور] کی اہلیہ محترمہ......مولانا محمد ازہر [مدیر ''الخیر'' ملتان] کے بھانجے......

محمد عالم صاحب کے بیٹے عبد المالک صاحب [گجرات]...... جناب کامران صاحب [سرگودہا] کی والدہ ماجدہ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

مفتی ابوالخیر عارف محمود ☆

فتنہ غامدیت کی حشر سامانیاں

قرن اول سے آج تک ہر زمانہ میں مختلف علمی وفکری فتنے پیدا ہوتے رہے، جس کے نتیجہ میں امت مسلمہ فرقوں میں بٹتی رہی، اس امر کی پیشن گوئی فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، تمام فرقے دوزخی ہوں گے، صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''ما أنا علیہ و أصحابی'' جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہوں گے (اس کی پیروی کرنے والے جنتی ہوں گے)۔

محترم قارئین! آج کے اس پر آشوب دور میں نبی آخر الزمان، الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی حقانیت اور اس کا عملی ظہور نصف النہار کی طرح واضح ہو چکا ہے، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف عالم کفر کا ''ملت واحدہ'' بن کر صف آرا ہونا بھی کسی سے مخفی نہیں، لیکن اس سے بڑھ کر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اسلام کے نام پر فرقہ باطلہ کی طرف سے سے اسلام کی من مانی تشریحات، اسلامی احکام و مسلمات کے بارے میں تشکیک وتحریف کا منفی عمل بھی زور وشور سے جاری ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اہل حق کی طرف منسوب بڑی بڑی نسبتوں کی حامل شخصیات نے اپنے اکابرین کے مسلک ومزاج کے برخلاف بعض ''فکری یتیموں'' اور مستشرکین سے علمی اور فکری فیض پانے ''نام نہاد اہل علم'' اور ''خود ساختہ مجتہدین'' سے اپنا علمی وفکری رشتہ جوڑ کر مسلمانوں میں تشکیک وانتشار پھیلانے کو اپنا دینی فریضہ سمجھ لیا ہے اور اس کے لیے باقاعدہ قلم وقرطاس کی دنیا میں ''مورچے'' بھی بنا لیے ہیں ؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمان

ایک طرف اہل باطل اور فکر ونظر میں تشکیک پھیلانے والے ''اپنے'' اور ''غیر'' اگر مورچہ زن ہیں تو دوسری طرف اہل حق اور فکر ونظر میں صراط مستقیم پر گامزن رجال اللہ بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں، وہ امر الٰہی پر قائم ہیں، دین متین کو ہر طرح کے غلو، تحریف اور جاہلوں کی تاویلوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلسل مصروفِ عمل ہیں، مخالفین کے منفی ہتھکنڈے اور ان کو ذلیل کرنے کی کوششیں بے سود ہیں، اس لیے کہ امیر شام حضرت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کا ایک طبقہ امر الٰہی پر برابر قائم

☆سابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی وسابق معین التحقیق صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

رہے گا، جوانہیں ذلیل کرنے کی کوشش کریں گے، یاان کی مخالفت کی کوشش کریں گے وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچاسکیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ طبقہ لوگوں پر غالب رہے گا'۔ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس علم کو ہر صحیح جانشین سے آگے ثقہ لوگ لیتے رہیں گے، وہ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، جھوٹوں کی من گھڑت باتوں اور جاہلوں کی (باطل) تاویل دور کرتے رہیں گے''۔

اسلام کی چودھویں صدی میں اللہ رب العزت نے اکابرین دیوبند اور ان کے فیض یافتہ فضلاء دیوبند کی جماعت کو طائفہ منصورہ بنا کر غلو کرنے والوں کی تحریف، جھوٹوں کی من گھڑت باتوں، جاہلوں کی باطل تاویل سے دین اسلام کی حفاظت اور اس کے مختلف شعبوں میں تجدیدی کارناموں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔یہی وہ جماعت ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''ما أنا علیہ و أصحابی '' کا حقیقی مصداق ہے، جس نے اپنے سلف صالحین کی طرح اس آخری زمانے میں ایسے افراد پیدا کیے، جن کی زندگی اظہار حق اور ابطال باطل کے لیے وقف رہی ہے، نامساعد حالات، الحاد و بے دینی کی تیز و تند لہریں، اپنوں اور بے گانوں کی مخالفتیں انہیں ایک انچ بھی جادہ مستقیم سے نہ ہٹا سکیں۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں'' ارشاد فرمایا:

> ''اصل اتباعِ سنت ہے، جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر پرکھا جائے گا، جو شخص اتباع سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مقرب ہوگا، روشن دماغی چاہے اس کے پاس کو بھی نہ آئی ہو۔ اور جو شخص اتباع سنت سے جتنا دور ہے اللہ تعالیٰ سے بھی اتنا ہی دور ہے، چاہے وہ مفکر اسلام، مفکر دنیا، مفکر سمٰوات بن جائے''۔

علماء دیوبند کا دینی اور فکری مسلک اہل السنّت والجماعت کا جامع، معتدل اور ہمہ گیر مسلک ہے، جس میں اصولِ دین یعنی کتاب سنت کی عظمت، شخصیاتِ دین یعنی فقہاء، مجتہدین، محدثین، مفسرین، متکلمین، اصولیین، صوفیاء اور علماء ربانیین کا احترام، سنت اور جماعت دونوں کا حسین اجتماع ہے، ورنہ ان دوگانہ اصولوں سے ہٹ کر اختراع اور تجدد پسندی کی وجہ سے بدعات و محدثات کی بھر مار ہے اور رجال دین سے بداعتماد ہو کر خود پسندی اور ایجاب رائے کی بنیاد پر کبر و نخوت کے بت تراشے گئے ہیں۔

بدقسمتی سے ترک خلافت کے سقوط کے بعد مستشرکین کو اسلام کے خلاف کھل کر شازشوں کا موقعہ ملا، انہوں باقاعدہ عرب و عجم میں ایسے لوگوں کی ایک کھیپ تیار کر لی جو اپنی نسبتوں میں تو مسلمان اور اہل علم، مگر اپنی فکر و نظر، علم و قلم کے حوالہ سے انہی کے پروردہ ہیں، جو تجدد و تشکیک میں اپنے مستشرق سرپرستوں سے بھی دو قدم آگے نظر آتے ہیں، ایسے لوگوں کی ایک طویل فہرست ہے، سر سید، عبد اللہ چکڑالوی، اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، سے لیکر عصر حاضر کے ''متجد د

اعظم'' جاوید احمد غامدی تک سب ہی ''استشراق'' کے زہر آلودہ چشمہ سے سیراب ہوئے ہیں، الحمدللہ! اکابر دیوبند نے فی زمانہ اس طرح کے تمام فتنہ پرور لوگوں کی سرکوبی کو اپنا دینی فریضہ سمجھ کر، افراط وتفریط سے اپنا دامن بچاتے ہوئے، اعتدال کے ساتھ ان کا خوب علمی اور فکری محاسبہ اور تعاقب فرمایا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف ''مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف'' کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں:

''امت کی دینی، علمی، فکری واصلاحی طویل تاریخ میں دینی وعلمی احتساب، بے لاگ و بے رو رعایت اور تعمیری وصحت مند تنقید کی مثالوں کی کمی نہیں، بلکہ اس بارے میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ اس معاملہ میں کوئی قوم وملت، ملت اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور یہ ہر طرح سے اس امت کے شایان شان ہے، جس کو '' شهداء على الناس ''کا امتیاز عطا کیا گیا ہے اور جس کو ''یا ایها الذین امنوا کونوا شهداء اللّٰه'' کے امر کا مخاطب بنایا گیا ہے، علمائے امت کو اپنے اس فریضے کے ادا کرنے سے نہ کسی کا ''زہد'' و روحانیت، عنداللہ وعندالناس مقبولیت روک سکی، نہ وہ عظیم دینی خدمات اور ملی منافع، بلکہ فیوض وبرکات مانع بن سکے، جو ان کی ذات سے مسلمانوں اور اسلام کو پہنچ رہے تھے، اس کی تابناک مثالیں جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں اور کتب طبقات وتراجم میں دیکھی جاسکتی ہیں، بلکہ مشہور اصول ''زلة العالِم زلة العالَم'' (عالم کی لغزش عالَم کی لغزش ہے) کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن لوگوں کو متبوعیت ومقتدائیت کا مقام حاصل تھا، یا جن کے قول وعمل کو حجت وسند سمجھا جاتا تھا، ان پر تنقید واحتساب اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی میں ان ناقدین ومصلحین نے (اُن کی خدمات کے پورے اعتراف اور ان کی ذات کے کامل احترام کے ساتھ) اپنی ذمہ داری کا اور زیادہ احساس کیا اور دوسروں کے مقابلہ میں (جن کو امت اور اسلامی معاشرہ میں یہ مقام حاصل نہیں تھا)، اس کام کو اور زیادہ ضروری سمجھا، ہمارے علم اور محدود مطالعہ میں قرن اول سے لے کر اس موجودہ عہد تک کبھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اور اگر اس امت کے لیے اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رہنے، کتاب الٰہی کا تحریف سے اور امت کا ضلالت عامہ سے محفوظ رہنے کا خدائی فیصلہ ہے (اور یہ اس امت کے لیے جو آخر الامم ہے ضروری ہے) تو یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا، اور اس کو قائم رہنا چاہیے کہ اس میں اس امت کی حفاظت اور انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔۔۔امم سابقہ اپنے علماء اور دین کے علمبرداروں کی اسی اخلاقی جرأت اور فرض شناسی کی کمی، دین میں مداہنت اور پاسداری (محاباۃ) اور دینی مصالح پر دنیوی مصالح کی ترجیح، مسئلہ کو مادی، سیاسی اور تنظیمی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی عادت کی بنا پر عمومی ضلالت وانحراف کا شکار ہوئیں اور آخر میں وہ کمزور دھاگا بھی ٹوٹ گیا جو ان کو خدا سے اور اپنی کتاب وشریعت سے مربوط کیے ہوئے تھا''۔

محترم قارئین! موجودہ زمانہ میں اپنوں کے ہی ایک معروف خانوادہ علم وعرفان سے ایک علمی اور فکری فتنہ نمودار ہوا، چوں کہ اس فتنہ کا منبع اور ماٗخذ ''غامدیت'' کا ''شجرۂ غیر طیبہ'' ہے، اس لیے مجلّہ صفدر کے ہمارے محترم اور فاضل دوستوں نے ''فتنۂ غامدی نمبر'' کے ذریعہ اس کے مسموم اُفکار وخیالات کا پردہ چاک کرنے کا ارادہ کیا اور اس خصوصی شمارہ میں ''اصول تفسیر، تصور سنت، مسئلہ تکفیر، حیات عیسی، نظریہ جہاد، قرآت قرآن، اجماع امت، حدود وتعزیرات، قادیانیت، تصوف وسلوک اور ناموس رسالت کا قانون'' جیسے عنوانات پر مدلل وتحقیقی مقالات اور ان مسائل میں غامدی فکر وسوچ کے تعاقب وتردید میں مضامین شائع کرنے کا عزم کیا ہے اور اہل علم سے انہی عنوانات پر خامہ فرسائی کا مطالبہ بھی کیا، یقیناً اہل علم وتحقیق ان موضوعات پر ضرور اظہار خیال فرمائیں گے، لیکن میرے نزدیک غامدی کا کردار، اس کا علمی شجرۂ انتساب، بڑے بڑے وقیع دینی موضوعات پر اس کی طبع آزمائی کی ناپاک جسارت اور کھلے عام جہالت کا اظہار، عربیت کے نام پر عجمیت اور فن صرف ونحو سے ناواقفیت کا پرچار ہی اس کے جادہ مستقیم سے منحرف وباغی سمجھے جانے کے لیے کافی ہے، اِس لیے میں ان علمی موضوعات پر کچھ لکھنے کے بجائے اس کے چیدہ چیدہ حالات زندگی کو زیب قرطاس کرنے کی کوشش کروں گا، یقیناً ہمارے محترم مولانا راشدی صاحب اور ان کے ''زیرک ودانا'' صاحب زادے اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ ٹھوس اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی شخص کا دینی معاملات میں مقتدا اور رہنما بننے کے لیے صرف اس کی معلومات کافی نہیں، بلکہ علوم وفنون میں کامل دسترس، مصادر شریعت پر گہری نگاہ کے ساتھ ساتھ اس کا کردار وگفتار، اس کی للّٰہیت اور تقوی اور اس کا حزم واحتیاط از حد ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ موصوف کس قماش کے آدمی ہیں، اور کس کس گھاٹ سے سیراب ہوئے ہیں؟

محترم قارئین! آج کے جاوید احمد غامدی کسی زمانہ میں پاک پتن کے گاؤں میں ایک پیر پرست کے صاحب زادے کی حیثیت سے محمد شفیق کے نام سے جانے جاتے تھے، گاؤں سے لاہور آکر ''جاوید احمد'' نام اختیار کرلیا، گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے آنرز کیا اور اپنی چرب زبانی کی بدولت اوقاف کے مصارف پر لاہور ہی میں ''دائرۃ الفکر'' کے نام سے ادارہ بنا ڈالا، اِسی دوران اِن کو مودودی صاحب کی ''صحبت'' نصیب ہوئی، جس نے مزید پروان چڑھایا، لیکن پھر وہاں سے ایک قدم اور آگے بڑھے اور امین اصلاحی صاحب کی ''قربت'' میں آگئے اور اپنے نئے نام کے ساتھ ''غامدی'' کے لقب کا مزید اضافہ کرڈالا، پھر ''دانش سرا'' کراچی سے لے کر ''المورد'' تک کی اڑان بھری، ابتدا میں سستی شہرت کے حصول کے لیے قرآنی چیلنج کے جواب کی ناپاک جسارت کرتے ہوئے ''چالیس فرضی آیات'' گھڑلیں، پھر کسی صاحب کے زجر پر اس کا مسودہ ضائع کرکے توبہ کرنے پہ آئے۔ ایک عرصہ تک فصیح وبلیغ عربی دانی کا ناٹک رچایا اور علمی سرقہ بازی کا بازار گرم کررکھا، پھر اس کے بعد مجلّہ صفدر کے مذکورہ بالا موضوعات ودیگر کئی اور عنوانات سے

متعلق اپنے گمراہ کن افکار و خیالات کی اشاعت کرتے رہے، اس پر بس نہیں بلکہ ''قرآن کی من مانی تشریح'' سے لے کر ''حدود اللہ'' میں رخنہ اندازی تک جس الحاد، تحریف، چودہ صدیوں کے دینی مسلمات کے مفہوم کو بدلنے، امت کے اجماعی اور متفقہ مسائل کا انکار، فقہی مسائل میں شاذ اور تفردانہ اقوال کا سہارا لے کر مسلمانوں میں تشکیک پھیلانا، اجتہاد کا جھوٹا دعوی کر کے چودہ صدیوں کے ائمہ دین پر زبان درازی کرنا، انکارِ حدیث کے زہریلے پودے کی آبیاری کرنا، جہاد کا انکار کرنا اور صہیونی مستشرقین کی اختراع شدہ روشن خیالی اور نام نہاد اعتدال پسندی کے بل بوتے پر دین اسلام کا ایسا نیا ایڈیشن تیار کرنا جو ان کے مغربی اور دیسی آقاؤں کو پسند ہو، ان جیسے نہ جانے کتنے ہی مسموم و مذموم، سیاہ کارنامے انجام دینے کے بعد ملک سے راہِ فرار اختیار کرنا۔

قارئین کرام! یہ ہے محمد شفیق المعروف جاوید احمد غامدی کی زندگی اور اس کے ''سیاہ کارناموں'' کی ایک جھلک، جن کی ترجمانی اور وکالت کا ''مقدس فریضہ'' غامدی اصغر جناب عمار خان ناصر صاحب انجام دے رہے ہیں، جب کہ ان کے والد گرامی پدری شفقت سے مجبور ہو کر ''الولد مبخلة مجبنة'' اور ''حبك الشيء يعمي و يصم'' کے بمصداق چارو نا چار ان کی پشت بانی اور دفاع کو اپنے فرائض منصبی میں شامل کر چکے ہیں، میں حیران ہوں کہ ہمارے مخدوم و محترم مولانا زاہد الرشدی صاحب، امام اہل سنت قدس سرہ کی عظیم نسبت، جامعہ نصرۃ العلوم جیسے مؤقر دینی ادارے سے وابستگی اور بے پناہ علم و فضل کے باوجود اپنے صاحبزادے اور بزعم خود ''محقق اعظم'' جناب عمار خان ناصر صاحب کے حق سے تجاوز کر کے گمراہی کی حدود میں قدم رکھنے کے باوجود اس کے دفاع میں کیوں ''فکری یتیموں'' کی صف میں کھڑے ہونے اور جانے انجانے میں ان کے پشتی بان بننے پر بضد ہیں؟ آخر کوئی تو وجہ ہوگی (اور یقیناً ہے بھی) کہ عصر حاضر میں اہل حق کے ترجمان، اصاغر و اکابر علمائے دیوبند اور ان کے خوشہ چین ''الشریعہ'' اس کے ''مدیر'' اور ''سرپرست'' سے نالاں ہیں اور انہیں غامدیت کی ترجمانی اور ''آزاد فورم'' والی اپنی روش ترک کر کے امام اہل سنت نور اللہ مرقدہ کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین فرما رہے ہیں، ان حضرات کو رجوع الی الحق کی فہمائش کرنے والے مخلصین کی اس جماعت میں شیخ المشائخ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب أطال اللہ بقاءً علی الأمۃ، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی عبد الواحد صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبد القدوس قارن صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر صاحب مدظلہ اور مفتی ابولبابہ صاحب مدظلہ سرفہرست ہیں، لیکن محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب اور بزعم خویش ''محقق'' ان کے صاحب زادے نے ان بزرگوں اور اکابر علماء کی نصیحت پر کان دھرنے کے بجائے بعض ذاتی و شخصی باتوں اور جزوی واقعات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر باقاعدہ ان خدا ترس اکابر علماء کے

خلاف ''مورچہ'' بنالیا، اسی پر بس نہیں، بلکہ ''الشریعۃ'' کا خصوصی شمارہ اسی مقصد کے لیے شائع کیا گیا، ہمارا ان دونوں حضرات سے یہ سوال ہے کہ کیا ''الشریعۃ'' نے اسی جوش و جذبہ کے ساتھ ''رافضیت'' سے لے کر ''غامدیت'' تک کے اعوجاجِ فکری کے بارے میں بھی ایسا ہی کوئی خصوصی شمارہ شائع کرنے کی اخلاقی جرأت کی ہے؟

خاص طور سے شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے تلمیذ رشید، تصوف و روحانیت میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ سے خرقۂ خلافت پانے والے، صدر وفاق المدارس العربیہ، نصف صدی سے زائد عرصہ صحیح بخاری کا درس دینے والے، ہمارے شیخ و مرشد، شیخ الحدیث، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کی خیر خواہانہ اور مشفقانہ نصیحتوں اور فہمائشوں کے جواب میں جس طرح ''غرانے'' کی مشق کی گئی ہے، کیا وہ تمام طرح کے اخلاقی تقاضوں کو پامال نہیں کرتی؟ ان حضرات کی یہ عجیب و غریب منطق ہے کی کہ جب اکابر کی بات آتی ہے (تو ان کے بعض ایسے واقعات جن کے ظاہری وقوع سے عدم احتیاط کا شائبہ ہوتا ہے جب کہ حقیقت میں وہ مبنی بر اخلاص ہوتے ہیں اور ان سے مقصود کسی کو متنبہ کرنا، یا کسی پیش آمدہ فتنہ کا سدباب اور عامۃ المسلمین کو اس سے خبردار کرنا اور بچانا ہوتا ہے۔) تو یہ حضرات ایسے واقعات کا سہارا لے کر ''الشریعۃ'' کے خصوصی شمارہ میں ''مورچہ زن'' ہوجاتے ہیں، اور اسے ایک مقدس دینی فریضہ جان کر سرعام الفاظ کے کھیل کے ذریعہ اکابر پر طعن و تشنیع اور ان کی کردار کشی پر کمر بستہ نظر آتے ہیں، لیکن جب اپنا ذاتی مطالعہ اور تحقیق فرزند ارجمند کے غامدیت سے مسروقہ افکار سے ٹکراتے ہیں تو اسے خصوصی شمارہ کی زینت بنا کر ہر کس و ناکس کے سامنے لانے کے بجائے چوری چھپے گھر بیٹھ کر بصد احترام ''محبت بھرے خطوط'' کے توسط سے موضوع بحث بنایا جاتا ہے، کیا یہ دوہرا معیار اور مطففین کی طرح مختلف پیمانوں سے لین دین کی عادت نہیں؟ کیا صاحب زادۂ گرامی قدر کی عزتِ نفس، شان و وقار اور مقام و مرتبہ اُن اکابرین امت سے بھی عالی اور بلند ہوگیا ہے؟ محترم مولانا راشدی صاحب ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کے سوچیے اور غور کیجیے! کہ کیا اپنے لختِ جگر کی خاطر اپنائی گئی مصلحتوں کے ان سے کئی گنا زیادہ مستحق عصر حاضر کے اکابر دیوبند نہیں تھے؟ کیا ہمارے اور آپ کے یہ بزرگ ''الشریعۃ'' اور اس کے ''مدیران'' کے خود ساختہ اور نام نہاد ''اخلاقیات'' کے حقدار بھی نہ بن سکے؟ فیا للأسف ولضیعة الأدب! یہ یاد رکھیں کہ اِس طرح کی مذموم کاوشوں سے ان خاصانِ خدا کی شان میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ ہی آئے گی، البتہ ان اولیاء اللہ سے دشمنی اور ان کی تنقیص و توہین ضرور بالضرور "من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب" کے پیشِ نظر غضب الٰہی کو دعوت دینے کے

مترادف ہے، شاید ایسے ہی کسی موقعہ پر شاعر نے کہا تھا۔

ومن یرد ضیاء الشمس إن شرقت

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

قد ینبح الکلب القمر

فیلقم النابح الحجر

نہ تم صدمے ہمیں دیتے، نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے راز سر بستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

محترم قارئین! جناب عمار خان ناصر صاحب اوران کے پشت بانوں نے غامدی اوراس کے نرالے وانوکھے اور فاسد افکار کے دفاع میں صدر وفاق المدارس العربیہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی ذات گرامی کو موضوع سخن بنا کر دنیا بھر کے اہل ایمان کا دل دکھایا ہے، اگرچہ اکابر دیوبند اور ابن الوقتوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک لیکن اہل ایمان کی تسلی اور اطمینان قلب اور اپنے مہربانوں کو یاددہانی کروانے کی غرض سے اپنے شیخ ومربی حضرت شیخ الحدیث زید مجدہم کے مختصر حالات زندگی اوران کے علمی وعملی کاہائے نمایاں کی ایک جھلک دکھانا بھی ضروری خیال کرتا ہوں، تاکہ ظاہر بینوں پر حقیقت حال واضح ہو کر ان اکابر کا مقام ومرتبہ اور تفوق آشکارا ہو جائے، اور کیوں نہ ان نیک طینت اور پاک باز اکابر کا تذکرہ مکرر اور بار بار کیا جائے، کیوں کہ ان کا تذکرہ مشک وزعفران سے معطر ہے۔

أعد ذکر نعمان لنا إن ذکرته کما المسک ما کررته یتضوع

قارئین کرام! آج سے تقریباً پون صدی قبل ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو متحدہ ہندوستان کے ضلع مظفر کے گاؤں حسن پور لوہاری میں آفریدی پٹھانوں کے ایک نیک اور خدا ترس فرد عبدالعلی خان صاحبؒ کے گھر ایک نیک بخت فرزند سلیم اللہ خان متولد ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کی مشہور زمانہ دینی درسگاہ ''مدرسہ مفتاح العلم'' میں حاصل کی اور صرف دو سال چھ ماہ کی قلیل مدت میں درجہ رابعہ تک کی تمام کتب پڑھ لیں، ۱۹۴۲ء میں آپ منبع علم وفضل، آفتاب معرفت وآگہی، گہوارہ علم وہنر، شہ پارہ تاریخ، مرکز عرفان و دانش، محور اخلاص وتقوی، ام المدارس اورازہر ہند ''دارالعلوم دیوبند'' تشریف لائے اور صرف بیس برس کی عمر میں وہاں کے جبال علم وتقوی اور اساطین فضل وکمال سے فیض پا کر سند فراغت حاصل کر لی، آپ کے مشائخ واساتذہ کرام میں شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام حضرت مولانا ومقتدانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندی رحمہ اللہ مشہور ہیں، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد مسلسل آٹھ

سال تک اپنے مشفق ومربی استاذ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیرنگرانی ''مدرسہ مفتاح العلوم'' جلال آباد میں دورہ حدیث تک کی تمام مشہور ومعروف فنی وعلمی کتب کی تدریس کی، متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد وطن عزیز پاکستان کے صوبہ سندھ کے علاقہ ٹنڈوالہٰ یار میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی قائم کردہ عظیم دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم اسلامیہ'' میں تین سال تک مسند حدیث پر فائز رہے، اس کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے انتخاب و طلب پر دارالعلوم کراچی میں مسلسل دس سال تک قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کی خدمت فرماتے رہے، اسی دوران محدث کبیر فقیہ النفس حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی خواہش پر ایک سال تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں حدیث کا درس دیتے رہے، پھر ۲۳ جنوری ۱۹۶۷ء کو شاہ فیصل کالونی کراچی میں ایک دینی ادارہ ''جامعہ فاروقیہ'' قائم فرمایا، جو حضرت شیخ الحدیث زیدمجدہم کی شبانہ روز محنتوں اور اخلاص کی وجہ سے چہار دانگ عالم میں اپنا فیض پھیلا رہا ہے، جامعہ کی عظیم اور متنوع دینی اور ملی خدمات کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے: ؎

اے خدا! ایں جامعہ قائم بدار فیض او جاری بود لیل ونہار

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی زندگی صرف درس تدریس تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ جب بھی سرزمین پاکستان میں کسی فتنہ نے سر اٹھایا آپ اس کی سرکوبی اور تعاقب کی خاطر میدان عمل میں آئے، چناں چہ ۱۹۸۳ء میں رافضیت کے فتنہ نے سر اٹھایا تو ''سواد اعظم'' کے نام سے تحریک چلا کر رافضیت کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کردیا، اس کے علاوہ آپ نے مودودیت سے لے کر غامدیت تک تمام فرق باطلہ اور جدیدیت کے فتنوں اور فتنہ پروروں کی سرکوبی کی، قدرت کی فیاضی دیکھئے کہ حضرت شیخ الحدیث اطال اللہ بقاءٗ علی الامۃ کو انقلابی خدمات کے لیے منتخب فرمایا، اس سلسلہ کی ایک کڑی ۱۹۸۰ء سے تاحال وفاق المدارس العربیہ کی نظامت وصدارت کے مناصب جلیلہ پر فائز رہ کر مدارس دینیہ کے لیے حکومتی، ملکی اور عالمی سطح پر وہ عظیم اور متنوع خدمات انجام دی ہیں کہ جن کے تذکرہ کے لیے خود ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے، نصف صدی سے زائد عرصہ تک صحیح بخاری کا مسلسل درس اور ''کشف الباری'' ''نفحات التنقیح''، ''شرح ترمذی'' اور فرق باطلہ کے رد پر تفسیری افادات آپ کے علمی اور تصنیفی خدمات پر مشتمل ایک گراں قدر سرمایہ ہے، جس سے رہتی دنیا تک استفادہ کیا جاتا رہے گا، کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے اور آدمی اپنے استادوں اور شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے، حضرت شیخ زیدمجدہم کو فیاض ازل کی طرف سے رجال سازی کا بیش بہا ملکہ عطا کیا گیا ہے، الحمدللہ! آج ساری دنیا میں جتنے نامور اور جلیل القدر تلامذہ وشاگرد آپ کے ہیں فی زمانہ کوئی اس میں آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، آپ کے کئی تلامذہ ایک زمانہ سے ''شیخ الحدیث''

جیسے منصب جلیلہ پر فائز ہیں، آپ سے استفادہ کرنے والی نابغہ روزگار شخصیات میں مولانا عنایت اللہ خان صاحب و مولانا حمید الرحمٰن صاحبؒ، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحبؒ و مفتی نظام الدین صاحبؒ جیسے شہیدان راہ وفا، داعی کبیر عظیم مبلغ مولانا محمد جمشید صاحبؒ، مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ، مولانا عادل خان صاحب مدظلہ، مولانا عبید اللہ خالد صاحب مدظلہ، مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مدظلہ، مولانا یوسف کشمیری صاحب مدظلہ، مولانا محمد یوسف افشانی صاحب مدظلہ، مولانا نور البشر صاحب مدظلہ، مولانا منظور احمد مینگل صاحب مدظلہ، مولانا محمد انور صاحب مدظلہ، مولانا عبدالرزاق صاحب مدظلہ، مولانا ولی خان صاحب مدظلہ اور مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ وغیرہ شامل ہیں، ویسے تو اندرون و بیرون ملک حضرت الشیخ زید مجدہم کے تلامذہ بکثرت موجود ہیں، جن کا ہم نے نام لیا یہ تو مشتے از خروارہ کا نمونہ ہے، راقم اثیم کو حضرت الشیخ دامت برکاتہم سے نہ صرف شرف تلمذ حاصل ہے، بلکہ زمانہ طلب علمی ہی سے اصلاحی تعلق کی نعمت عظمی بھی میسر رہی ہے، صحیح بخاری کے درس میں دو سال مسلسل استفادہ کے علاوہ ان کی شہرہ آفاق شرح بخاری ''کشف الباری'' پر تحقیقی خدمت انجام دینے کی سعادت بھی حاصل رہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اب اپنی بد قسمتی، حوادث زمانہ کی وجہ سے ظاہری دوری ہے، لیکن آپ سے محبت اور قلبی تعلق پہلے کی طرح اب بھی راقم اثیم کو علم و عمل کے میدانوں میں منور کر رہا ہے اور اپنے اکابر سے جوڑے ہوئے ہے ؎

دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں ۔۔۔ دور رہ کر قریب ہوتے ہیں

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب اطال اللہ علینا وعلی الامۃ بقاءَ سے بندہ کو محض عقیدت ہی نہیں، بلکہ راقم کو ایک عرصہ ان کی خدمت میں رہنے کا موقعہ بھی ملا ہے، آپ کی جلوت و خلوت کا بارہا مشاہدہ کرنے کے بعد میں پورے شرح صدر اور بصیرت کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ زمانہ قریب میں علمائے دیوبند کے مزاج و مسلک پر مکمل اعتماد کے ساتھ کاربند آپ جیسا محقق و مدرس، محدث و مصنف، مضبوط قوت حافظہ کا مالک، فرق باطلہ کا بھرپور تعاقب کرنے والا، مشفق و ناصح، عشق نبوی سے سرشار، متبع سنت، پابندی وقت کا اہتمام کرنے والا، ریاضت و مجاہدہ اور تلاوت قرآن کا پابند، تواضع و سادہ گی، اخلاص وللہیت، تقوی و بزرگی، توکل و استغناء اور صفائے قلب و باطن سے مالا مال کسی کو نہیں پایا۔

کاش ہمارے مہربان اپنی خداد صلاحیتوں کو ''غامدیت'' کی ترجمانی اور ''آزاد فورم'' کی منفی سرگرمیوں میں استعمال کرنے کے بجائے امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نور اللہ مرقدہ کے نقش قدم پر چل کر، اکابر دیوبند کے مزاج و مسلک پر قائم رہتے ہوئے اپنی ''تحقیقات'' پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے اکابر پر اعتماد کرتے ہوئے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیتے تو اسلام اور

مسلمانوں کے لیے مفید خدمت ہوتی، یہ تو وہ بھی خوب جانتے ہیں کہ جدوجہد آزادی سے لے کر اس خطہ بلکہ تمام اطراف عالم میں شرک وبدعات کا خاتمہ، فرق باطلہ کا تعاقب، قرآن وسنت کی صحیح وحقیقی تشریح اور ترویج واشاعت اور متعدد دینی وملی خدمات تک ان تمام مراحل میں فضلائے دیوبند کا بھرپور کردار ہے اور آج بھی اہل حق کی ترجمانی کا فریضہ علمائے دیوبند ہی کے فیض یافتہ رجال انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو حق سمجھ کر اس کی اتباع کرنے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حق معلوم ہونے کے باوجود محض ضد وعناد کی وجہ اس سے اعراض کے مرتکب ہو جائیں: ؎

ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں　　حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں

آخر میں گذارش ہے ہوسکتا ہے کہ ہماری تحریر میں کچھ سخت الفاظ آگئے ہوں اور ان سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو، لیکن خدا شاہد ہے کہ ہم نے جو لکھا وہ صرف اہل ایمان کی فکری اور علمی فتنوں سے حفاظت اور اپنوں کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت لکھا ہے، کیوں کہ ؎

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھ کو، غم آشیاں نہیں

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالجبار سلفی

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی خدمت میں!

......قسط نمبر۲......

اہل حدیث دوست مولانا نذیر حسین دہلویؒ کو حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کا شاگرد کہتے ہیں اور انہیں ''شیخ الکل'' قرار دیتے ہیں۔ اب شاہ محمد اسحٰقؒ تقلید ائمہ کو عین تقلید حدیث قرار دے رہے ہیں، تو ان دوستوں کو مولانا نذیر حسینؒ سے زیادہ حضرت شاہ صاحبؒ پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اگر چہ ہماری رائے میں مولانا نذیر حسینؒ نے حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ سے باقاعدہ علم حدیث حاصل نہیں کیا تھا، میاں نذیر حسین صاحب کے سوانح نگار مولانا فضل حسین بہاریؒ نے لکھا ہے کہ انہیں حضرت شاہ صاحب سے صرف اطرافِ صحاح کی سند ملی تھی۔ (الحیاۃ بعد الممات، ص:٦٨)

مولانا محمد ابراہیم میرؒ سیالکوٹی فرماتے ہیں:

> ''حنفی بھائی ہم اہل حدیثوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ وہ باوجود رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا اقوال صحابہؓ نہ ملنے کے اور خود بھی متداولہ مشہورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہیں سو کیا کریں، اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مذہب سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔[تاریخ اہل حدیث، ص:١١٨]

اِس عبارت سے بھی مولانا صلاح الدین صاحب کی بات تقویت پاتی ہے کہ اہل حدیث علماء تقلیدِ مطلق کے قائل ہیں اور شخصی تقلید پر تحفظات رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے افسوس میں اضافہ اس لیے ہوجاتا ہے کہ جب شخصی اور مطلق تقلید پر جانبین کا اختلاف ہے تو پھر محض، تقلید کا نام سن کر ہمارے اہل حدیث بھائیوں کی آنکھیں سرخ کیوں ہوجاتی ہیں؟ اور ائمہ اربعہ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کا نام گرامی پڑھ کر ان کے کانوں کی لویں کیوں تپ جاتی ہیں؟ اجتہاد اور تقلید ساتھ ساتھ چلتے آئے ہیں۔ جب اجتہاد کرنے والا ہوگا تو لامحالہ اس کی اتباع کر کے مقلد کہلوانے والا بھی موجود رہے گا۔ اہل علم کے ہاں ابتداء ہی سے تقلید، اجتہاد کے مقابل چلی آرہی ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ کہ تقلید کو حدیث کے مقابل پیش کیا گیا اور یہ زیادتی اہل حدیث دوستوں کی طرف سے ہوئی ہے۔ وگرنہ ہر صاحب عقل پر یہ واضح ہے کہ اہل تقلید کو اہل حدیث نہ ماننا کسی

لاہوری کو پنجابی یا پنجابی کو پاکستانی نہ ماننے کے مترادف ہے۔ اس لیے علمائے حق نے ہمیشہ اہل سنت کی ترویج پر محنت کی ہے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی نادان اہل حدیث تقلید کرنے والوں کو مقلد کہہ کر پھبتیاں اڑائیں گے۔ اہل علم کا کام ہوتا ہے کہ وہ مذبذبین کو تذبذب سے نکالنے کا فریضہ سرانجام دیں نہ کہ انہیں مزید شکوک وشبہات میں ڈال کر منفی سرگرمیاں دکھائیں۔

تقلید شخصی کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک ہی ہستی کو مقتداء بنا کر اس کی اتباع کرنا اور یہ کوئی ایسی لاینحل تعریف نہیں ہے کہ جس پر اہل حدیث دوستوں کو پریشان ہونا پڑے۔ عقلاً ونقلاً، روایتاً ودرایتاً ہر اعتبار سے یہ لائق تحسین اور قابل عمل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک ایک صحابی اور خلیفہ کی اتباع اور تقلید کی تاکید فرمائی، مثال کے طور پر ارشاد نبوت ہے: '' فاقتدو بالذين من بعدي أبي بكرؓ وعمرؓ'' [ترمذی: ۲/۲۰۷] ترجمہ: میرے بعد تم ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتداء کرنا۔

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب اسلام کے اس قانون کو تو بخوبی جانتے ہوں گے کہ بیک وقت دو خلیفوں کی اتباع نہیں ہوتی۔ اس لیے خلافت راشدہ کے چوتھے خلیفہ موعودہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کی بیعت پر جب صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہوا تو انہوں نے سیدنا حضرت معاویہؓ کو یہی مشورہ دیا تھا کہ آپ پہلے خلیفہ وقت کی بیعت فرمالیں پھر قصاص عثمانؓ کا مطالبہ پیش خلیفہ کردیں۔ خصوصاً حضرت مقدادؓ اور برق بن عبداللہؓ نے اسی تناظر میں صلح کی کوشش کی تھی۔ بہرحال یہ تو ایک مستقل موضوع ہے۔ مذکورہ حدیث سے بالکل واضح ہے کہ عہد صدیق اکبرؓ میں صدیق اکبرؓ کی اور عہد فاروق اعظمؓ میں حضرت عمرؓ کی اقتداء کا حکم دیا جارہا ہے اور یہی تقلید شخصی ہے۔ یہاں سیاسی ودینی کا فرق نکالنا کج بحثی کے مترادف ہے، کیونکہ خلفاءِ راشدینؓ اور خصوصاً حضرات شیخینؓ کی سیاست خالصتاً دینی اور شرعی سیاست تھی اور یہ نفوس قدسیہ صرف ریاستی امور میں نہیں بلکہ شریعتِ مطہرہ میں بھی امام ومقتداء مانے جاتے تھے۔ تقلیدِ شخصی کو احادیث کی روشنی میں ثابت کرتے ہوئے محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خانؒ صفدر، حضرت عرباض بن ساریہؓ کی روایت کے تحت فرماتے ہیں کہ:

''حضور اکرم ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ایک مؤثر اور بلیغ تقریر ارشاد فرمائی جس سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل میں خشیت طاری ہوگئی، ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ تقریر آپ کی رخصت کرنے والے کی (آخری) تقریر ہے۔ اس لیے ہمیں کچھ وصیت ارشاد فرمادیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہنا، امیر کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کو بجالانا، اگرچہ ایک حبشی غلام ہی تمہارا امیر منتخب ہوجائے۔ کیونکہ میرے بعد تمہاری زندگی کے مراحل میں بہت کچھ اختلافات پیدا ہوجائیں گے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

فعليكم بسنتي و سنته الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة.

ترجمہ: میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور میری اور ان کی سنت کو اپنی ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑو اور دین میں نئی نئی باتوں سے احتراز کرو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [ترمذی:۹۲/۲، مستدرک ۹۵/۱، مشکوۃ:۳۰ وغیرہا......بحوالہ: الکلام المفید فی اثبات التقلید، ص:۷۹، باب دوم، طبع ہفتم]

حضرت شیخ الحدیثؒ اِس حدیث کی صحت پر محدثین کرامؒ کے حوالہ جات درج کرنے کے بعد مفصل بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ایک وقت میں خلیفہ راشد صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور مسلمانوں پر اس ایک ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم اور ضروری ہوتی ہے جس طرح دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں، اسی طرح دو خلیفے بھی بیک وقت منتخب نہیں ہو سکتے۔ الغرض خلافت صدیقی میں تمام مسلمانوں کا صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنا امام، حاکم، پیشوا اور مقتدیٰ بنانا ضروری تھا اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں مسلمانوں کو ان کی اطاعت اور اتباع کرنا لازمی تھی، اسی طرح خلافت فاروقی، عثمانی اور حیدری کا حال سمجھئے، ان میں سے ہر ایک کے دور میں صرف ایک ایک کی تقلید کرنا ضروری تھا اور تقلید شخصی کا یہی معنیٰ ہے کہ ایک ہی ہستی اور ذات کو اپنے پیش نظر رکھ کر اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا دم بھرا جائے۔'' [ایضاً، ص:۸۲]

تضاد کی گہری دھند:

ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا صلاح الدین یوسفؔ صاحب نے ''مزاحیہ'' طور پر اپنا مضمون الاعتصام میں شائع فرمایا ہے۔ کیونکہ ان کے کسی دعویٰ میں وزن نہیں ہے اور بعض جگہوں پر تو ایسے تضادات ہیں کہ آج اگر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ زندہ ہوتے تو مولانا صاحب کو ''کان'' ضرور پکڑواتے، کیونکہ مناظرانہ طرز پر تحریر یا تقریر کا یہ سلیقہ نہایت نامناسب ہوتا ہے۔ مثلاً وہ راقم الحروف کے ایک اقتباس پر یوں جرح فرماتے ہیں:

''موصوف کا بہ ایں علم و فضل ایسا سمجھنا ناقابل فہم ہے' کیا موصوف تقلید اور اتباع کا فرق نہیں سمجھتے؟ اور تقلید اور اتباع کو یکساں قرار دینا، کسی صاحب علم سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی، پھر قرآن کریم کی آیت فاسئلو اھل الذکر سے تقلید شخصی کا اثبات تو ستم ظریفی کی انتہاء ہے۔

(الاعتصام، لاہور ۲۴ تا ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۴، صفحہ ۲۶)

تبصرہ:

تقلید اور اتباع کی بحث سے قبل مولانا صاحب سے التماس ہے کہ آپ نے اپنے اس مضمون کی

ابتداء میں صفحہ نمبر ۲۴ / پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ’’علمائے دین کی طرف مراجعت ضروری ہے اور یہ عوام کے لئے ناگزیر ہے اور اہل حدیث عوام فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون کے تحت علماء سے دینی معلومات حاصل کر کے دین پر عمل کرتے ہیں۔‘‘

جس آیت کی رُو سے فقہاءِ ملت کی اتباع ستم ظریفی قرار پائی، بلکہ ستم ظریفی کی بھی انتہاء ٹھہری، اِسی آیت کے تحت اہل حدیث دوستوں کے لیے اپنے اپنے ائمہ مساجد کی اتباع عین شریعت ثابت ہو جاتی ہے، اتنے بڑے تضاد کا موجب کہیں ضد اور عناد تو نہیں ہے؟ مثلاً ایک آدمی مولانا صلاح الدین یوسف صاحب سے دینی معلومات اور شرعی راہنمائی لے تو وہ ’’مقلدِ مطلق‘‘ ہے اور جو آدمی امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہی بصیرت پر اعتماد کر لے وہ ’’تقلیدِ شخصی‘‘ کا مجرم قرار پائے، آخر مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کاش مولانا صاحب اپنا نقطۂ نظر متانت اور سنجیدگی سے پیش فرماتے تا کہ یہ افسوس ناک عمل کم از کم ’’الاعتصام‘‘ کے ریکارڈ کا حصہ تو نہ بنتا۔ باقی مذکورہ آیت سے عام آدمی تو رہا ایک طرف، خود مجتہد کے لیے بھی اپنے سے بڑے فقیہہ کی تقلید کا جواز نکل رہا ہے، چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

إن من الناس من جوّز التقليد للمجتهد لهذه الآية ’’بعض لوگوں نے اس آیت کریمہ سے مجتہد کے لیے تقلید کا جواز ثابت کیا ہے‘‘ [تفسیر کبیر، ص: ۱۹ تحت آیت مذکورہ]

ممکن ہے مولانا صلاح الدین یوسف صاحب مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ کی اتباع میں فرما دیں کہ اس آیت میں ’’أهل الذکر‘‘ سے مراد علمائے یہود ہیں، جس کا مفہوم خاص ہے نہ کہ عام، اِس لیے فقہاء مراد نہیں لیے جا سکتے ہیں۔ [فتاویٰ نذیریہ، ۱/۱۶۳]

اس کے جواب میں ہمیں تو انتہائی سہولت رہے گی، کیونکہ مولانا صاحب فرما چکے ہیں کہ فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کے تحت اہل حدیث عوام علماء سے راہنمائی لیتے رہتے ہیں۔ تو اس صورت میں خود مولانا صلاح الدین صاحب کا مولانا میاں نذیر حسینؒ سے ایکسیڈنٹ ہو جائے گا، جس پر ہمیں بھی یقیناً افسوس ہو گا۔ کیونکہ عموماتِ قرآنیہ کو اسباب نزول میں مقید کرنا صریح غلط فہمی ہے، (اور عجیب بات یہ ہے کہ مولانا میاں نذیر حسینؒ اپنی دوسری کتاب میں اسی آیت سے تقلید کا جواز بھی نکالتے ہیں، مثلاً فرماتے ہیں: ’’یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم، اور یہی آیت دلیل ہے وجوبِ تقلید پر‘‘ [معیار الحق: ۶۷] ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت سے صرف مولانا یوسف صاحب کو ہی نہیں بہت پہلے سے علمائے اہل حدیث کو غلط فہمیاں ہوتی چلی آ رہی ہیں) لیکن زیرِ نظر سطور میں ہمارے مخاطب چونکہ مولانا صلاح الدین صاحب ہیں، اِس لیے ان کی خدمت میں ہم ملتمس ہیں کہ اس آیت بیّنہ سے فقہاء عظام کی

اتباع کو ستم ظریفی قرار دینا سستے داموں اپنا علمی وقار فروخت کرنے کے مترادف ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس حوالے سے نہایت جچی تلی گفتگو نقل فرماتے ہیں کہ:

آیت مذکورہ کا یہ جملہ فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ، اِس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لیے قرآنی اسباب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے، جو عقلی بھی ہے، نقلی بھی، کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتانے پر عمل کریں، اس کا نام تقلید ہے۔ یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے۔ جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر علم حاصل کریں اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے، ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں، اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، البتہ وہ علماء جو خود قرآن وحدیث کو اور مواقع اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن و حدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں اور علماء، صحابہ وتابعین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں، ان احکام میں وہ علماء براہ راست قرآن وحدیث اور اجماع پر عمل کریں، ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں، لیکن وہ احکام ومسائل جو قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں یا جن میں آیاتِ قرآن اور روایاتِ حدیث میں بظاہر کوئی تعارض نظر آتا ہے، یا جن میں صحابہؓ وتابعین کے درمیان قرآن وسنت کے معنی متعین کرنے میں اختلاف پیش آیا ہے، یہ مسائل واحکام محل اجتہاد ہوتے ہیں، ان کو اصطلاح میں مُجتَہَد فیہ مسائل کہا جاتا ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ جس عالم کو درجۂ اجتہاد حاصل نہیں اس کو بھی ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید ضروری ہے۔ محض اپنی ذاتی رائے کے بھروسہ پر ایک آیت یا روایت کو ترجیح دے کر اختیار کرنا اور دوسری آیت، روایت کو مرجوح قرار دے کر چھوڑ دینا اس کے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح جو احکام جو قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں، ان کو قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول سے نکالنا اور ان کا حکم شرعی متعین کرنا یہ بھی انہی مجتہدین امت کا کام ہے جن کو عربی زبان، عربی لغت اور محاورات اور طرقِ استعمال کا نیز قرآن وسنت سے متعلقہ تمام علوم کا معیاری علم اور ورع وتقویٰ کا اونچا مقام حاصل ہو۔ جیسے امام اعظم ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ، احمد بن حنبلؒ یا اوزاعیؒ، فقیہ ابواللیثؒ وغیرہ۔ جن میں حق تعالیٰ نے قربِ زمانۂ نبوت اور صحبتِ صحابہؓ و

تابعین کی برکت سے شریعت کے اصول ومقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کر کے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے، ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے اکابر علماء، محدثین وفقہاء، امام غزالیؒ، رازیؒ، ترمذیؒ، طحاویؒ، مزنیؒ، ابن ہمامؒ، ابن قدامہؒ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علومِ عربیت وعلوم شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کے پابند رہے ہیں۔ سب مجتہدین کے برخلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا۔ البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے، پھر ائمہ مجتہدین میں سے جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے، اس کو اختیار کر لیتے تھے، مگر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے۔ تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔ اس کے بعد روز بروز علم کا معیار گھٹتا گیا اور تقویٰ وخدا ترسی کے بجائے اغراضِ نفسانی غالب آنے لگے، اسی حالت میں اگر یہ آزادی دی جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں کسی ایک امام کا قول اختیار کر لیں اور جس میں چاہیں کسی دوسرے کا قول لے لیں تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا تھا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اتباع ہویٰ میں مبتلا ہو جائیں کہ جس امام کے قول میں اپنی غرض نفسانی پوری ہوتی نظر آئے اس کو اختیار کر لیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کوئی دین وشریعت کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ اپنی اغراض واہواء کا اتباع ہوگا، جو باجماع امت حرام ہے۔

علامہ شاطبیؒ نے موافقات میں اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے اور ابن تیمیہؒ نے بھی عام تقلید کی مخالفت کے باوجود اس کے طرح اتباع کو اپنے فتاویٰ میں باجماع امت حرام کہا ہے۔ اس لیے متاخرین فقہاء نے یہ ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام مجتہد کی تقلید کا پابند کرنا چاہیے، یہیں سے تقلید شخصی کا آغاز ہوا جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے جس سے دین کا انتظام قائم رہے اور لوگ دین کی آڑ میں اتباع ہویٰ کے شکار نہ ہو جائیں۔ اس کی مثال بعینہٖ وہی ہے جو حضرت عثمان غنیؓ نے باجماع صحابہؓ قرآن کے سبعة أحرف (یعنی سات لغات) میں سے صرف ایک لغت کو مخصوص کر دینے میں کہا کہ اگرچہ ساتوں لغات قرآن ہی کے لغات تھے، جبرائیل امین کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئے، مگر جب قرآن کریم عجم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے تحریفِ قرآن کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماع صحابہؓ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت میں قرآن کریم لکھا اور پڑھا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اسی ایک لغت کے مطابق تمام مصاحف لکھوا کر اطرافِ عالم میں بھجوائے اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے۔ اس کے یہ معنی

نہیں کہ دوسرے لغات حق نہیں تھے، بلکہ انتظامِ دین اور حفاظتِ قرآن از تحریف کی بناء پر صرف ایک لغت اختیار کرلیا گیا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین سب حق ہیں، ان میں سے کسی ایک کو تقلید کے لیے معین کرنے کا یہ مطالبہ ہرگز نہیں کہ جس امامِ معیّن کی تقلید کسی نے اختیار کی ہے اس کے نزدیک دوسرے ائمہ قابل تقلید نہیں، بلکہ اپنی صواب دید اور اپنی سہولت جس امام کی تقلید میں دیکھی، اس کو اختیار کرلیا اور دوسرے ائمہ کو بھی اسی طرح واجب الاحترام سمجھا۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیمار آدمی کو شہر کے حکیم اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لیے متعین کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ بیمار اپنی رائے سے کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر دوا استعمال کرے کبھی کسی دوسرے سے پوچھ کر، یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے، وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لیے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی جو تقسیم امت میں قائم ہوئی اور اس کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی، اس میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کا رنگ اور باہمی جدال و شقاق کی گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے نہ کبھی اہل بصیرت علماء نے اسے اچھا سمجھا ہے۔ بعض علماء کے کلام میں علمی بحث و تحقیق نے مناظرانہ رنگ اختیار کرلیا اور بعد میں طعن و طنز تک نوبت آ گئی۔ پھر جاہلانہ جنگ و جدال نے وہ نوبت پہنچا دی جو آج عموماً دین داری اور مذہب پسندی کا نشان بن گئی۔ فإلی اللہ المشتکیٰ، ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلی العظیم.

[معارف القرآن: جلد پنجم: ۳۴۵/۵ تا ۳۴۷]

قارئین کرام! مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا یہ تفصیلی اقتباس ہم نے کسی بیش بہا نثری تحریر کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ تقلیدِ مطلق، شخصی اور ضرورتِ تقلید نیز موجودہ دور میں بعض لوگوں کی بے اعتدالی کے کڑوے ثمرات اور بلاوجہ کی کھینچا تانی پر ایک اظہارِ افسوس کے طور پر دیا ہے، کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ تمام باتیں ڈیڑھ دو صفحات میں سمو کر گویا سمندر کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اِس اقتباس میں نہایت قریب الفہم مبحث تو ہے ہی، اسلوب بیان میں بھی کسی مخالف نقطہ نظر رکھنے والے کے لیے دل گرفتگی کا کوئی شمہ نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ضرورت تقلید کے حوالہ سے امام ابن تیمیہؒ، رازیؒ، غزالیؒ اور شاطبیؒ وغیرہم کے نام ان کی رائے ذکر لیے بغیر دیے ہیں۔ لہٰذا ہم ان حضرات کی کتب سے مختصراً ان کی آراء پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کے لیے بات کو سمجھنا مزید آسان ہو جائے اور امید ہے کہ مولانا صلاح الدین صاحب بھی اس پر توجہ فرمائیں گے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆

مولانا مفتی رب نواز

زبیر علی زئی کا تعاقب

......قسط ۲۴......

زبیر علی زئی......:

رب نواز دیوبندی نے لکھا ہے: ''بندہ نے فتاویٰ ثنائیہ ج:۱ص:۴۶ سے ثناء اللہ امرتسری [۱۸۰] صاحب کی شہادت نقل کی کہ حضرت شیخ الہند [۱۸۱] مولانا محمود حسن رحمہ اللہ ''بڑے پایہ کے عالم'' تھے۔
(مجلّہ صفدر، شمارہ نمبر ۶، ص:۱۵)
علی زئی صاحب نے اس کا تو کوئی جواب نہیں دیا، الٹا حضرت شیخ الہند کو ''متروک'' [۱۸۲] قرار دے دیا۔''
(مجلّہ صفدر گجرات: ۱۴ص ۳۷)
جواب......: فتاوی ثنائیہ [۱۸۳] کی مذکورہ عبارت سے استدلال چار وجہ سے غلط ہے:
۱: محمود حسن دیوبندی پر کئی طرح کی جروح [۱۸۴] مفسرہ ثابت ہیں اور تعدیل مبہم [۱۸۵] پر جرح مفسر مقدم ہوتی ہے۔ جروح مفسرہ کے چند حوالے درج ذیل ہیں:
☆......محمود حسن نے آیت قرآنیہ میں تحریف کی [۱۸۶] (دیکھئے ایضاح الأدلہ ص:۹۷ مطبع قاسمی دیوبند [۱۸۷])

۱۸۰ ☆......قاضی محمد اسلم سیف غیر مقلد نے تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۴۰۶۔۴۰۷..... عبدالمجید سوہدری صاحب غیر مقلد نے ''سیرۃ ثنائی صفحہ ۳۸۷۔۵۰۶۔۵۰۹ وغیرہ......محمد اسحاق بھٹی صاحب غیر مقلد نے بزم ارجمنداں صفحہ ۱۳۷ تا ۱۹۴ میں ثناء اللہ امرتسری صاحب کو بہت ہی جان دار خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

☆......محمد داؤد ارشد صاحب غیر مقلد نے انہیں ''امت مرحومہ کا ہیرو'' قرار دیا ہے جبکہ عام غیر مقلدین انہیں ''شیخ الاسلام'' کہا کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کے یہ شیخ الاسلام اور ہیرو ہمارے بزرگ حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کو ''بڑے پایہ کا عالم'' کہنے کے ساتھ انہیں ''حدیث کا شیدائی'' بھی کہتے ہیں۔[فتاوی ثنائیہ: ۴۶/۱]
فتاویٰ ثنائیہ کی مفصل عبارت، ہم حاشیہ نمبر میں نقل کر آئے ہیں۔

۱۸۱ ☆......حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو غیر مقلدین نے جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اسے حاشیہ نمبر ۳۹ میں پڑھا جا سکتا ہے۔

۱۸۲ ☆......علی زئی صاحب کا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو ''متروک'' قرار دینا چار وجوہ سے غلط ہے:

(الف) علی زئی صاحب اپنے اصولوں کے مطابق مجروح راوی ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں تضاد بیانی جھوٹ ہے، اسی طرح مجہول کی روایت سے استدلال کرنا کذب بیانی ہے جبکہ وہ خود تضاد بیانیوں کا شکار ہیں اور مجہول کی روایت سے استدلال بھی کرتے ہیں ثبوت کے لیے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ نمبر ایک (۱) دیکھیں۔

(ب) علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''ایسے لوگوں کی تصحیح و تحسین کا کیا اعتبار ہے جو بذاتِ خود ایک فریق مخالف کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' [توضیح الاحکام:۱/۳۵۰]

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ فریق مخالف کی بات معتبر نہیں۔ لہٰذا فریقِ مخالف کے فرد علی زئی صاحب کا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو ''متروک'' قرار دینا خود ان کے اصول کی وجہ سے بھی غیر معتبر ہے۔

(ج) علی زئی صاحب نے جن باتوں کو مدار بنا کر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ پر جرح کی ہیں وہ باتیں آلِ غیر مقلدیت کے اعتراف کے مطابق قابلِ جرح نہیں ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہی باتیں خود آلِ غیر مقلدیت میں پائی جاتی ہیں تفصیل آگے حاشیہ نمبر ۱۸۶ وغیرہ میں آ رہی ہے۔

(د) علی زئی صاحب، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو ''متروک'' قرار دینے پر اپنے سوا کسی مستند عند الفریقین عالم کا حوالہ نہیں دے سکے، جبکہ ہم تو خود آلِ غیر مقلدیت کے بہت سے علماء سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تعریف و توثیق ثابت کر چکے ہیں۔ دیکھئے حاشیہ نمبر ۳۹۔

۱۸۳ ☆......احسان الٰہی ظہیر صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''فتاویٰ ثنائیہ کے بارہ میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو فتاویٰ میں یہ جامع اور صحیح ترین مجموعہ ہے۔'' [ابتدائیہ فتاویٰ ثنائیہ:۱/۱۵]

۱۸۴ ☆......علی زئی صاحب نے ''کئی طرح کی جروح'' کا دعویٰ تو کر دیا کاش کہ وہ کسی مستند عند الفریقین عالم سے ایک ہی جرح حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خلاف پیش کر دیتے اور پھر اس جرح کا مفسر ہونا بھی بیان کرتے مگر افسوس وہ ایسا نہ کر سکے اور خود ہی جرح کرنے بیٹھ گئے ہیں......اور انہوں نے جو بزعم خود جرح مفسر پیش کی ہے وہ سرے سے جرح ہی نہیں چہ جائیکہ وہ جرح مفسر ہو۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ

جارح علی زئی صاحب فریقِ مخالف کا فرد ہیں جن کی بات خود ان کے اصول میں معتبر ہی نہیں ہے جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۸۲ر میں بیان ہوا۔

۱۸۵ ☆......شکر ہے علی زئی صاحب، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تعدیل مبہم کا ثبوت مان گئے ہیں اگر وہ اس کا بھی انکار کر دیتے تو کوئی کیا کر سکتا؟

۱۸۶ (الف) یہ تحریف نہیں، سہو ہے خود آلِ غیر مقلدیت نے بھی اسے سہو قرار دیا ہے۔

☆......عمر فاروق قدوسی صاحب غیر مقلد، دیوبندیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''انہوں نے طویل عرصے تک اس غلطی کو درست نہ کیا......جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن سے ہوئی تھی اور انہوں نے ایک آیت میں ترمیم و اضافہ کر کے اسے قرآن کی آیت قرار دیا تھا۔ مولانا موصوف سے تو سہواً ایسا ہو گیا۔'' [اہلحدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں: ۱۸۵]

☆......قدوسی صاحب نے شیخ الہند رحمہ اللہ کی عبارت کو تحریف کہنے کی بجائے اسے غلطی اور سہو قرار دیا ہے۔

علی زئی صاحب غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ارشاد الحق اثری صاحب کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے ہیں جیسا کہ ہم حاشیہ نمبر ۱۶۸ر میں ان کی کتاب علمی مقالات [۴۲۲/۲] سے نقل کر آئے ہیں۔

اس لیے ان کے مشورہ کے پیشِ نظر ہم ان کی غلط فہمی کا ازالہ ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد سے کرتے ہیں۔

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''سیدھے ہاتھوں یہ اعتراف کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ یہ حضرت شیخ الہند سے چوک ہوئی۔ اپنے مدمقابل کے جواب میں جو آیت انہوں نے لکھی وہ قرآن پاک میں کہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے سید احمد پالن پوری صاحب کا کہ انہوں نے بالآخر تسہیل الادلہ کاملہ کے پیشِ لفظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: یہ سبقت قلم ہے......مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اپنے ایک خط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ فی الواقع یہ خطا مولانا محمود حسن سے ہوئی اور یہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے، ملاحظہ ہو ''الردود'' مؤلفہ بکر بن عبد اللہ ابو زید کا حاشیہ [ص: ۲۴۲] کیا اس حقیقت کا اعتراف ڈیروی صاحب بھی کریں گے......بہر حال جس آیت کو انہوں نے قرآن پاک کی ایک آیت قرار دیا وہ بہر نوع غلط ہے۔ آیات کے لکھنے میں کسی لفظ کا رہ جانا یا کسی لفظ کو دوسری آیت کے اشتباہ میں لکھ دینا بعید نہیں ایسا سہو و اشتباہ ہو جاتا ہے۔ طباعتِ قرآن میں بھی ایسا ہوتا

رہا ہے بلکہ ہوتا ہے۔'' [تنقیح الکلام:۲۳۶]

اثری صاحب نے اس مقام پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عبارت کو ''تحریف'' کہنے کی بجائے اسے ''چوک، سبقتِ قلم اور خطاء'' قرار دینے کو حقیقت کہا ہے۔

عمر فاروق قدوسی اور ارشاد الحق اثری کے ''سہو'' قرار دینے کے بعد ہم قارئین کے سامنے علی زئی صاحب کی عبارت پیش کرتے ہیں کہ کوشش کے باوجود مصنفین سے سہو ہو ہی جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''تحریر لکھتے وقت مصنف سے بعض اوقات سہواً غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں اور کاتب، کمپوزر اور ناسخ سے بھی بہت سی اخطاء واوہام کا صدور ہوتا ہے اور اس طرح جتنی بھی کوشش کریں کتاب اور تحریر میں کچھ نہ کچھ غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں۔'' [علمی مقالات:۵۴۸/۱]

علی زئی صاحب اپنی اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں:

''کمپوزنگ، کتاب اور تحریر کی نادانستہ غلطیاں جھوٹ نہیں ہوتیں۔'' [ص:۵۵۹]

لہٰذا ادلہ کاملہ میں مذکور نادانستہ غلطی کو بھی جھوٹ یا تحریف قرار دینا غلط ہے۔

(ب) بالفرض والمحال حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سہوا کو اگر ''تحریف'' کہہ بھی دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ یہ جرح مفسر کہلائے گی؟

اہل کتاب کے بارے میں کتبِ حدیث میں تصریح ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کر دی تھی۔ [صحیح بخاری:۱۰۹۴/۲]

یہ بات فتاویٰ ستاریہ [۴۲/۲] میں بھی لکھی ہے۔

مگر تحریف کا ارتکاب کرنے والے اہل کتاب کی روایت کو بیان کرنا علی زئی صاحب جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اہل کتاب کی جو روایت کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو اسے بیان کرنا جائز ہے۔''

[اضواء المصابیح:۲۱۰/۱، حدیث نمبر:۱۵۵]

(ج) غیر مقلدین میں تحریف کا جرم اس قدر مسلم ہے کہ خود انہیں اس کا اعتراف بھی ہے جیسا کہ ہم حاشیہ نمبر ۱۳۷ میں بحوالہ لکھ چکے ہیں۔

شرف الدین دہلوی صاحب غیر مقلد، جماعت غرباء اہلحدیث کے امیر عبد الوہاب صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایسے ملا مولوی، نفس کے بندے خواہش نفسانی کے لیے گھڑ گھڑ کے مسئلے بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ قرآن وحدیث کا مسئلہ ہے اور یہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔'' [خلافتِ محمدی صفحہ ۳۰ جونا گڑھی بحوالہ تجلیات صفدر: ۸۹/۲]

غیر مقلدین کی تصریحات کے مطابق تحریف کے میدان میں ریکارڈ قائم کرنے والے حضرات میں علی زئی صاحب کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری صاحب ہیں ان کی تحریفات پر مستقل کتاب ''الاربعین'' وجود میں آئی جس کے مصنف عبدالحق غزنوی صاحب غیر مقلد ہیں اس کتاب میں قریباً سو علمائے غیر مقلدیت کے دستخط یا ان کی تائیدات ہیں۔ یہ کتاب رسائل اہلحدیث جلد اول میں شامل ہے۔

کتاب کے صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ امرتسری صاحب نے ''تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی ہے۔'' مکمل عبارت ہم حاشیہ نمبر ۱۳۷ میں درج کرآئے ہیں۔ لہٰذا علی صاحب کے ہم نوا تحریف کے مرتکب عبدالوہاب اور ثناء اللہ امرتسری وغیرہ پر جرح مفسر کی پھبتی کستے ہوئے انہیں ''متروک'' کہیں۔

۱۸۷ ......ایضاح الادلہ کے نئے ایڈیشنوں میں آیت کی تصحیح کردی گئی ہے، والحمدللہ۔ (جاری۔۔)

مولانا حافظ محمد طیب حفظہ اللہ

جناب ارشاد الحق اثری غیر مقلد......اپنی تحریرات کے آئینہ میں

......قسط نمبرا......

جناب شیخ ابوالبدر ارشاد الحق اثری صاحب معروف غیر مقلد عالم ہیں، جو غیر مقلدین کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ ''ادارہ علوم اثریہ'' منٹگمری بازار فیصل آباد کے اہم ترین رکن ہیں۔ موصوف اپنے حلقے میں ''محقق العصر''، ''محدث العصر''، ''استاذ الاساتذہ'' وغیرہ کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جناب

......توضیح الکلام فی وجوب القراءة خلف الإمام. [صفحات۱۰۳۲، طبع جون ۲۰۰۵]

...... إعلاء السنن فی المیزان ......أسباب اختلاف الفقهاء

......امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ ......احادیث ہدایہ......فنی و تحقیقی حیثیت

......مولانا سرفراز صفدر اپنی تصنیفات کے آئینہ میں ......تنقیح الکلام فی تائید توضیح الکلام

وغیرہ کتب ورسائل کے مصنف ہیں۔ حضرت صاحب نے اپنی کتب میں حدیث اور محدثین کے نام پر غیر مقلدیت کا خوب خوب پرچار کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ائمہ اہل سنت احناف خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہؒ، نامور محدث وفقیہ امام ابوجعفر الطحاویؒ اور دیگر فقہاء واکابرین احناف کے متعلق بدگمانیاں پھیلانے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے میں دیگر غیر مقلدین سے چار قدم آگے نکل کر سرگرمی دکھائی ہے۔ نیز مسلک احناف پر کیچڑ اچھالنے، اُن کے مسائل کو غلط رنگ دینے اور اُن میں شبہات پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اپنے تعصب کا مزید ثبوت بہم پہنچانے کے لیے کئی جگہوں پر احناف کو 'حدیث سے تہی دامن'، 'یتیم' اور 'لاتعلق' قرار دیا ہے۔ چونکہ مصوف تمام مسائل اپنی مخصوص مسلکی (غیر مقلدانہ) نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، اس لیے اکثر اوقات بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لینے اور دینے کے پیمانے بھی جناب کے ہاں الگ الگ ہیں۔ ایک اصول خود وضع کر کے یا محدثین سے کوئی اصول نقل کر کے مختلف انداز واطوار سے اس کی تشہیر کرتے ہیں اور اپنے مسلک کے دفاع میں اس اصول کو خوب استعمال بھی کرتے ہیں۔ لیکن اگر کسی موقع پر اسی اصول سے اپنے مسلک کے لیے کوئی خطرہ محسوس کریں تو اس اصول کو پاش پاش کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اکثر وبیشتر تلبیس وتدلیس سے کام چلاتے ہیں، بوقت ضرورت اپنے دیگر ہم مسلک حضرات کی طرح غلط بیانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ایک طرف راوی کو بڑی شدومد سے مجروح قرار دینا اور بوقت ضرورت چپکے

سے اس کی روایت سے استدلال کرجانا حضرت کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔موصوف کی ایک عادت جو اِن کی کتب میں بکثرت دیکھنے میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ مخالف کی بات درست تسلیم کر لینے کے باوجود وقتاً فوقتاً اُس میں شبہات پیدا کرتے جاتے ہیں تاکہ قاری کا ذہن تشویش میں مبتلا رہے اور وہ کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے۔ رواۃ کی جرح وتعدیل کے بارے میں بھی مختلف رنگ اختیار کرتے ہیں۔اگر کسی محدث کا قول اپنی فکر کے موافق دیکھتے ہیں تو اُس کا ذکر لمبے چوڑے القابات سے کرتے ہیں۔لیکن اگر کسی امام ومحدث کی رائے جناب کے نظریہ سے میل نہ کھائے تو اُس کی تردید کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی چند لغزشیں ایسے عجیب انداز سے پیش کرتے ہیں کہ وہ ماہر فن بالکل معمولی حیثیت کا آدمی معلوم ہونے لگتا ہے۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حرکات غیر سدیدہ اثری صاحب کی کتب کی ''زینت'' ہیں۔کئی ایک سے واقفیت تو قارئین کو آئندہ تحریر پڑھ کر ہی حاصل ہو جائے گی۔ان شاءاللہ

ہم سب سے پہلے جناب ارشادالحق اثری صاحب کے بارے میں غیر مقلدین کے معتبر حضرات کی آراء پیش کرتے ہیں، تاکہ پتہ چل سکے کہ مسلکِ غیر مقلدیت میں اُن کا مقام ومرتبہ کیا ہے۔یہ عبارات پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کوئی غیر مقلد اثری صاحب کی کسی عبارت سے پریشان ہو کر اُن کو ''اہل حدیث'' کی صف سے باہر ہی نہ نکال کھڑا کردے، جیسا کہ آج کل ''امامِ اہل حدیث'' وحیدالزمان صاحب کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے۔

(۱)......غیر مقلدین کے ''محقق العصر حضرت مولانا'' محمد عزیز زبیدی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا ارشادالحق اثری (کثر اللہ امثالہ) نے احسن الکلام کے جواب میں توضیح الکلام کے نام سے اپنا ایک محدثانہ جائزہ پیش کیا ہے، ہم اسے مقلدین کی طرح ''کالقرآن'' تو نہیں کہہ سکتے، لیکن دیانتدارانہ ہماری یہ رائے ہے کہ یہ علمی جائزہ محدثانہ نقد ونظر کا آئینہ دار ضرور ہے۔'' [پیش لفظ توضیح الکلام:۴۵]

(۲)......غیر مقلدین کے ''فضيلة الشيخ، السيد، المحدث ''محبّ اللہ شاہ راشدی لکھتے ہیں:

''شیخ سرفراز خان صاحب کی کتاب پر جس سنجیدگی ووقار کا دامن تھامتے ہوئے متین تنقید فرمائی ہے اور جس مہارت ومتانت سے ان کے دجل وخداع کی قلعی کھولی ہے اور اس پر عدل وانصاف سے جس وقیع نہج پر کلام فرمایا ہے۔یہ واقعۃً اللہ تعالیٰ نے آں جناب کے حصہ میں رکھا ہے۔''

''(ب) میں یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا دفاع کرتے ہوئے آنجناب نے اس کتاب میں جدوجہد، جانفشانی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔صرف یہی ان شاءاللہ تعالیٰ آنجناب کی نجات کے لیے کافی ہوگا۔'' [تقریظ توضیح الکلام:۵۰]

(۳)......غیر مقلدین کے ’’شیخ الحدیث، حضرت مولانا‘‘ محمد علی جانباز لکھتے ہیں:

’’ہماری جماعت کی محقق اور فاضل شخصیت حضرت مولانا ارشاد الحق اثری نے ’’توضیح الکلام‘‘ کے نام سے مذکورہ کتاب کا جواب باصواب لکھ کر گکھڑوی صاحب کے تمام دلائل کا تارِ عنکبوت ہونا ثابت کر دکھایا ہے اور ان کی تمام علمی خیانتوں کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اثری صاحب کی یہ کتاب ایک بے مثال علمی تحقیقی دستاویز ہے۔‘‘ [تقریظ توضیح الکلام:۵۲]

(۴)......غیر مقلدین کے ’’محقق شہیر، حضرت مولانا‘‘ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے لکھا ہے:

’’ہمارے فاضل دوست جناب مولانا ارشاد الحق اثری رفیق ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد جماعت اہل حدیث کے ان چند ممتاز نوجوان علماء میں سے ایک ہیں جن پر پوری جماعت کی بجا طور پر فخر ہے۔ ان کی علمی خدمات جماعت کے لیے مایہ صد افتخار ہیں۔......فاضل موصوف نے علم و تحقیق کے میدان میں جو وقیع کام کیے ہیں۔ ان سے وہ پاک و ہند کے علاوہ عرب میں بھی متعارف ہو چکے ہیں۔‘‘ [ایضا:۵۴]

(۵) مشہور غیر مقلد عالم حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

’’پاکستان کے مشہور محقق اور اہل حدیث کے نامور عالم......‘‘ [مقالات:۱۷۳/۲]

آئندہ اوراق میں احادیث کی تصحیح، رواۃ کی جرح و تعدیل اور فقہی مسائل کی تحقیق و تنقیح مقصود نہیں، بلکہ اثری صاحب کا ’’علمی و تحقیقی مقام و مرتبہ‘‘ ان کی اپنی تحریرات کی روشنی میں واضح کرنا مطلوب ہے۔ لہٰذا قائین کرام اثری صاحب کے طریقۂ استدلال، اندازِ فکر، طرزِ تحقیق اور سوچ کے زاویوں کو ملاحظہ فرماتے جائیں اور جناب کا پسندیدہ شعر گنگناتے جائیں ؎

خود غرض شکلیں انہوں نے شاید دیکھی نہیں غالب
گر وہ آئینہ دیکھیں گے تو ہم اُن کو دکھادیں گے

[إعلاء السنن فی المیزان:۱۴۵]

صحیح بخاری و مسلم کا مقام و مرتبہ:

جناب ارشاد الحق اثری صاحب کے ہاں بخاری و مسلم کا مقام و مرتبہ جاننے کے لیے موصوف کی درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(الف) ’’صحیحین کے بارے میں تقریباً پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ کتب احادیث میں ان دونوں کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے اور صحیح بخاری، قرآن پاک کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔ خود ان کے مصنفین نے درج شدہ احادیث کی صحت کا اہتمام فرمایا۔ اُس دور کے اَکابر

محدثین نے اِن کی ہمنوائی فرمائی اور پھر ہر دور میں محدثین اور اہل علم نے اِن سے اتفاق کیا۔ اور یہ اتفاق صرف اِن مصنفین کی عظمت کے باعث ہی نہیں، بلکہ ہر دور میں انہیں جانچنے پرکھنے کے اصولوں کی کسوٹی پر انہیں پرکھا گیا، مگر نتیجہ اور فیصلہ وہی ٹھہرا جس کا اظہار ہم نے پہلے کیا ہے۔''

[احادیثِ بخاری ومسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ: ۸۲]

اثری صاحب کی مذکورہ عبارت سے چار باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں:

۱......صحیح بخاری وصحیح مسلم میں درج شدہ احادیث امام بخاری ومسلم کے نزدیک صحیح ہیں۔

۲......امام بخاری ومسلم کے ہم عصر اکابر محدثین نے ان کی ہمنوائی فرمائی، یعنی صحیح بخاری وصحیح مسلم میں واردشدہ احادیث کو صحیح قرار دیا۔

۳...... ہر دور میں محدثین اور اہل علم نے صحیحین کی احادیث کی صحت پر ان سے اتفاق کیا۔

۴......اہل علم کا یہ اتفاق محض حسن ظن کا نتیجہ نہیں، بلکہ جانچ پرکھ کے اصولوں سے گزر کر یہ احادیث یہاں تک پہنچیں۔

(ب) ''صحیحین بالخصوص صحیح بخاری کے مصنف امام بخاریؒ کے بارے میں ان کے معاصرین اور متاخرین اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہی جمع نہیں کیا، بلکہ خداداد فقاہت و درایت کی بنا پر اسے استنباط مسائل کی کتاب بھی بنا دیا۔'' [پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ: ۹۶]

(ج) ''پھر اس کے علاوہ یہ بات تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ صحیحین کی تمام مسند احادیث صحیح اور انہیں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ علامہ البانی نے صحیح مسلم کی بعض روایات پر نقد کیا۔'' [مقالات: ۱/۱۶۹]

(د) ''اس قیل وقال کے علاوہ امام مسلم، امام ابن خزیمہ، ابن الجارود کا اپنی کتابوں میں اس روایت کو ذکر کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔'' [مقالات: ۲/۲۸۲]

''امام ابواسحاق الاسفرائنی فرماتے ہیں:

''ائمہ فن کا اتفاق ہے کہ صحیحین کی احادیث مقطوع بالصحت ہیں''۔[النکت لابن حجر]

کچھ سطریں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا کلام منہاج السنہ [۴/۵۸۔۵۹] میں قابل دید ہے۔ ان حضرات کے علاوہ ابوحامد الاسفرائنی، قاضی عبدالوہاب، ابویعلیٰ ابن الفراء، ابوالخطاب، محفوظ بن احمد، ابن الزغوانی کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ بخاری ومسلم کی مسند روایات مقطوع بالصحت ہیں۔ بلکہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: تمام اہل حدیث اور عموماً سلف کا یہی خیال ہے۔[اختصار علوم الحدیث: ۳۸ توجیہ النظر: ۱۲۷]

[احادیث ہدایہ فنی وتحقیقی حیثیت: ۷۹]

(ھ) ''امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتاب کا اصل الاصول تو صحیح حدیث کو بنایا۔ فقہائے کرام کا اختلاف اور اس حوالے سے احادیث کا ذخیرہ ان کے پیش نظر تھا۔ جس صحیح حدیث کو انہوں نے اپنے اصول وقواعد کے مطابق پایا اسے کتاب کی زینت بنایا اور وہی ان کا مذہب ٹھہرا۔''

[حروف چند إعلاء السنن في الميزان:۲۱]

(و) ''مگر ان کی ''الجامع الصحیح'' کو خود انہوں نے ہی صحیح نہیں کہا بلکہ ان کے مشائخ، معاصرین اور متأخرین نے بھی اسے صحیح قرار دیا اور بعض حضرات نے جو ان بعض روایات پر اعتراضات کیے تو دوسرے بہت سے حضرات نے ان کے تسلی بخش جوابات دے کر ثابت کر دیا کہ واقعۃً ان دونوں کتابوں بالخصوص صحیح بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں۔'' [پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ:۱۹۴]

ایک طرف اثری صاحب کے صحیح بخاری ومسلم کی احادیث پر اعتماد کا یہ منظر اور دوسری طرف ان کی روایات پر تنقید وجرح اور ان پر کلام کے کچھ نمونے بھی ملاحظہ فرما لیجئے! صحیح مسلم شریف میں وارد شدہ حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ ''وإذا قرأ فأنصتوا'' (جو کہ مسلک غیر مقلدین کے لیے نہایت پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے) کے متعلق اثری صاحب کا موقف کیا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے موصوف کی درج ذیل عبارات کو نظروں سے گزاریے:

۱۔ ''لیکن چونکہ اس روایت (حدیث ابی موسیٰ اشعری۔ ناقل) کو امام بخاری، امام دارقطنی بلکہ امام احمد نے بھی معلول قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کی بات امام مسلم سے مقدم ہے۔'' [توضیح الکلام:۶۶۴ حاشیہ:۳]

۲۔ ''لہٰذا جب یہ روایت خود شاذ ہے تو اس سے شاذ (حدیث ابی موسیٰ اشعری) کی تائید کیونکر ہو سکتی ہے۔''

[توضیح الکلام:۶۸۱]

۳۔ ''اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام بیہقی اور علامہ نووی وغیرہ نے جس ''اجماع'' کا اظہار کیا ہے وہ متقدمین، محدثین مراد ہیں، ان کے مقابلہ میں امام مسلم وابن جریرؒ وغیرہ چند محدثین کی (حدیث ابی موسیٰ اشعری کے متعلق) تصحیح محل نظر ہے۔'' [توضیح الکلام:۷۱۱]

۴۔ اثری صاحب ''قتادہ مدلس ہے۔'' کی سرخی جما کر لکھتے ہیں:

''تنبیہ ثالث قتادۃ مدلس ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ: اس روایت میں قتادہؒ کا حطانؒ سے سماع نہیں، مگر مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں کہ: ''ابوداؤد اور ابوعوانہ میں صراحت سماع موجود ہے......'' حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ ان الفاظ سے بھی قتادہ کی تدلیس ختم نہیں ہوتی۔

بادی النظر میں راقم نے طبع اول میں کہا تھا کہ ابوداؤد میں تصریح سماع ثابت ہے، مگر مزید غور وفکر اور تتبع کے بعد معلوم ہوا کہ اس سے بھی سماع کی صراحت نہیں ہوتی۔ قتادہ کا بیان بھی ''عن ابی غلاب'' یہی

کہہ رہے ہیں۔'' [توضیح الکلام: ۶۸۸، ۶۸۹]

اثری صاحب کی مذکورہ عبارت کے ساتھ ساتھ درج ذیل دو عبارات بھی پیش نظر رہیں:

(الف) ''ہماری ان گزارشات سے واضح ہوجاتا ہے کہ قتادہؒ مدلس اور اس کی معنعن روایت صحت کے منافی ہے۔'' [توضیح الکلام: ۶۹۹]

(ب) ''اس پر بھی اتفاق ہے کہ مدلس کا عنعنہ موجب ضعف ہے۔'' [توضیح الکلام: ۱۳۷]

عبارت نمبر۴ اور مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ صحیح مسلم کی حدیث ''وإذا قرأ فأنصتوا'' قتادہ نے ''عن'' سے روایت کی ہے۔ (اور قتادہ کا اس روایت میں حطان سے سماع بھی ثابت نہیں) اور قتادہ مدلس اور اس کی معنعن روایت صحت کے منافی ہے، بلکہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ مدلس کا عنعنہ روایت کے ضعف کا باعث ہے۔ لہٰذا اثری صاحب کو صرف جملہ'' وإذا قرأ فأنصتوا '' پر کلام نہیں بلکہ مذکورہ روایت کی سند ہی قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یاد رہے کہ ایک اور جگہ پر اثری صاحب تحریر فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح یا جید کیونکر ہوسکتی ہے جب کہ اس کی سند میں ابواسحٰقؒ مدلس ہیں اور یہ روایت معنعن ہے اور مدلس کی معنعن روایت بالاتفاق صحیح نہیں ہوتی۔ [توضیح الکلام: ۷۸۴]

ہمیں یہاں صحیح مسلم شریف کی مذکورہ روایت کی صحت وضعف سے بحث مقصود نہیں، بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اثری صاحب ایک طرف بخاری ومسلم میں درج شدہ احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں، دوسری طرف اپنے مسلک کی مخالف حدیث کو شاذ، معلول اور غیر متصل قرار دے دیتے ہیں۔ (جاری۔۔۔۔)

انجم نیازی

عظیم مفکر، عظیم محقق، عظیم مصنف و مؤرخ

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی وفات پر اظہارِ غم

عظمتوں کا ٹوٹ کر روشن ستارہ گر گیا
مسجدِ اسلام کا اونچا منارہ گر گیا

ملت اسلامیہ پھر سے اَپاہج ہوگئی
دُور جا کر روشنی کی اِک کرن پھر کھو گئی

سو برس تک یہ دِیا اِسلام کا جلتا رہا
دین اِس کی روشنی میں پھیلتا پھلتا رہا

یہ مؤرخ، یہ محقق، یہ مدبر چل دیا
کون آئے پھر نجانے دوسرا، یہ تو گیا

کتنے ہی سورج چھپے تھے ایک اُس کی ذات میں
کتنی مہکاریں نہاں تھیں اُس کی اِک اِک بات میں

وہ ہمارے واسطے اِک شعلۂ مستور تھا
اُس کے اِک اِک لفظ میں حقانیت کا نُور تھا

کتنے پروانے یہاں پر ہاتھ ملتے رہ گئے
جانے والے جاتے جاتے جانے کیا کچھ کہہ گئے

تونسویؒ، درخواستیؒ، اپنے محقق سرفرازؒ
جو رہے دنیا کی ساری خواہشوں سے بے نیاز

مظہرؒ و نافعؒ، لطیفؒ آئے تھے جانے کے لیے
اب بچا کچھ بھی نہیں انجم لٹانے کے لیے

۱۔مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ ۲۔مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ ۳۔مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
۴۔مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ۴۔مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ۶۔مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ